اسلام اور بانیِ اسلام کے متعلق محققانہ منصفانہ اور آزادانہ خیالات

الموسوم بہ

جذباتِ شاد

یعنی

مشہور کہنہ مشق انشا پرداز و سخنور منشی للتا پرشاد صاحب شاد (میرٹھی) کا

جامع و دلچسپ لیکچر جو اجمیر کے ایک عظیم الشان جلسہ میں بہ فرمائش
سیرت کمیٹی پڑھا گیا اور

عزیزی پریس آگرہ میں چھپا

بار اول ۱۰۰۰ جلد　　سنہ ۱۹۳۶ء　　قیمت فی جلد ۴ر

دیباچہ

از جناب مولانا مولوی محمد یونس صاحب منتظم دار العلوم معینیہ عثمانیہ

درگاہ معلیٰ اجمیر شریف

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مبدع کائنات کی حمد اور مبدء موجودات کی ثنا کائنات کی تسبیح اور موجودات کا وظیفہ ہے۔ ان بے حد و عد ذاکرین و مسبحین کی زبانِ حال و قال سے بڑھ کر کس زبان و قلم کو یارا کہ لب کشائی کرے اور اس میدانِ حمد و ثنا میں گوئے سبقت لے جانے کی ہوس۔ لہذا اعترافِ تقصیر کے ساتھ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اس شعر مشہور پر اقتصار کیا جاتا ہے۔ شعر:۔

محمد سے صفت پوچھو خدا کی　　　خدا سے پوچھئے شانِ محمد

جل جلالہٗ و اعظم شانہٗ۔ صلوا علیہ و آلہ۔

ناظرینِ باتمکین۔ حضرت رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے آفتاب نے جس طرح بلا تفریق سیاہ و سفید علم و عمل کی کائنات کے ہر ذرہ کو روشن کیا اور آپ کی اعلیٰ التعلیم نے فرقہ بندی سے بالاتر ہر قوم و ملت کو قبولِ حق کی دعوت دے کر تمام عالم کو جس طرح ایک رشتۂ مساوات میں منسلک کیا اس کا اقتضا ہے کہ خدائے قدوس کے سب بندے اپنے رشتۂ اخوت و محبت کو مضبوط پکڑیں اور بنی آدم امتیازات رنگ و نسل زبان و قوم اور وطن سے آزاد ہو کر خدا کی زمین کو اپنا وطن، اُس پر بسنے والوں کو اپنا بھائی۔ اس کے پیدا کرنے والے کو اپنا خدا۔ اس کا پیغام پہونچانے والے کو اپنا آقا و رہنما سمجھیں اور اس طرح خدمت خلق و اطاعت میں محو ہو جائیں کہ مَن و تُو کا جھگڑا اور اختلاف و تعصب بے جا یک قلم اُٹھ جائے۔

مستحق ہزار مبارکباد ہیں، سیرت کمیٹی پٹی کے سکریٹری صاحب جنھوں نے اس پُر آشوب زمانہ میں توکلاً علی اللہ اتحاد کا عَلَم اُٹھایا اور سیرت رسول کی بساطِ وحدت پر ہر مذہب و ملت کے عَلَم برداروں کو لا کر کھڑا کر دیا اور قابلِ تحسین ہیں سیرت کمیٹی اجمیر کے سکریٹری صاحب مولٰنا سید محمد زاہدی، جنھوں نے اپنی مخلصانہ جد و جہد سے ۴؍ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کو غوثیہ ہال اجمیر میں جلسہ سیرت اعلیٰ شان و شوکت سے

منعقد کرکے اس یک رنگی و اتحاد کا جلوہ دکھا دیا۔ جو اجمیر کی تاریخ
میں یادگار رہے گا کہ ایک ہی پلیٹ فارم سے مختلف اقوام و ملل
کے معزز مقررین بانیٔ اسلام و تعلیم اسلام کی صحیح اور واقعی عظمت
و صداقت کی اشاعت نظم و نثر میں کرتے ہوئے نظر آئے اور اتحاد
و محبت کی تخم ریزی کی گئی جس کے برگ و بار نے دنیا کو پیام امن
و وداد علی الاعلان سنایا۔ اس جلسہ میں جس قدر برادرانِ وطن
و بزرگانِ قوم نے اس عنوان پر اپنے پاک خیالات کا اظہار کیا
اور جس صداقت و انصاف پسندی سے اسلام اور بانیٔ اسلام
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح سرائی کی مسلمانوں کا ہر مومن ان کا
منت پذیر اور شکرگزار ہے۔ جیسا کہ عالی جناب رائے بہادر
پنڈت مٹھن لعل صاحب بھارگو بی۔ اے ایل ایل بی وکیل و پریسیڈنٹ
آریہ سماج اجمیر و جناب سیٹھ کھیسو لعل صاحب جینی جوہری و جناب بابو
امبکا پرشاد صاحب وغیرہ۔

لیکن اس تمام جلسہ کی روح رواں اور جسم اتحاد و یک رنگی کی
جان میں اس بصیرت افروز تقریر اور دل پذیر تحریر کو سمجھتا ہوں جس
کو ہمارے محب مخلص جناب منشی للتا پرشاد صاحب شاد نے بہ نام
"جذباتِ شاد" مرتب کرکے اس عظیم الشان جلسہ میں سنایا اور پھر متنفس

کو پیکرِ مسرّت و امتنان بنایا۔ فی الحقیقت تقریر کیا ہے ایک پری ہے۔ جس نے زبانِ شادؔ کے شیشہ میں جلوہ گری کی ہے یا ایک دریا ہے جس کو مؤلف نے اپنی اعلیٰ قابلیت سے اس کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ مضامین فائق۔ روایات صحیح و مستند۔ ترتیب عجیب اور بیان دل آویز و غریب۔ طرزِ ادا دلکش۔ اثر و تاثیر دیرپا اور دُوررس جس نے تمام حاضرینِ جلسہ کے قلوب کو مسخر کر لیا کہ "ہرچہ از دل خیزد بہ دل ریزد" اس پہ کمال اخلاص یہ کہ بعض مسائل میں جب معزز مؤلف کو اصلاح و ترمیم کی طرف نیازمند نے متوجہ کیا تو قلم مجھے سپرد کر دیا کہ جن مضامین میں آپ کو اصولی اختلاف ہو دیباچہ میں اس کا اظہار کر دیا جائے۔ اسی بنا پہ یہ چند سطور بہ طورِ دیباچہ مجھے لکھنے کا موقع ملا۔ میں قابل مقرر کی اس رواداری و وسعتِ اخلاق و اعتماد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے صاف طور پر اعتراف کرتا ہوں کہ سوائے ایک دو مقام کے اس سیرت میں کوئی مضمون قابلِ اختلاف نہیں البتہ بعض مقامات پر ایسا اجمال ہو گیا ہے جو موجب غلط فہمی ہو سکتا ہے

(۱) چنانچہ متفرق مقامات پر صرف عرب کے لئے رسالت کی تحدید کا جو شبہ ہوتا ہے۔ وہ خود منشائے مؤلف کے یقیناً خلاف ہے کیونکہ اس شبہ کے اظہار پر خود جناب شادؔ صاحب نے رسالت

کو ملک عرب کے لئے محدود ماننے سے انکار فرمایا۔ صرف ابتدائے تبلیغ اور وطنیت کی نسبت سے ملک عرب کی خصوصیت کا جا بجا اظہار کیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح حضرت سیدنا علی مرتضیٰ شیرِ خدا کی صُلح پسندی و خاموشی دعوائے خلافت کا جس مقام پر ذکر ہے اُس سے استحقاق خلافت بلا فصل کا شبہہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر حضرات اہل تشیع کے معتقدات کے لحاظ سے لکھا گیا ہے کیونکہ جناب شاد صاحب نے خود اپنی زندگی کا گہرا تعلق حضراتِ تشیعہ سے رہنا ظاہر کیا۔ اسی بنیاد پر اس مضمون کا اس طرح اندراج ہوا۔ ورنہ اہل سنّن کے عقیدۂ حقہ کی تردید مقصود نہیں جن کے نزدیک حقیقتِ خلافت حسب ترتیب خلافت مسلّم ہے۔

(۳) اسی طرح جہاں مسلمانوں کے افعال منافی توحید کا اظہار کیا گیا ہے اُن میں اکثر عوام بے علم طبقہ کے افعال شمار کرا دئے گئے ہیں جن میں بعض مختلف فیہ امور بھی شامل کر دئے گئے جو شرک میں داخل نہیں البتہ مسئلہ "معراج" ضرور ایسا مسئلہ ہے جس سے مجھے اصولی طور پر قطعی اختلاف ہے لیکن اس میں شاد صاحب کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ آج ایک کثیر التعداد فلسفی (نو تعلیم یافتہ) طبقہ بھی اس مسئلہ میں شاد صاحب ہی کا ہمنوا نظر آتا ہے۔ حالانکہ سلفِ صالحین سے آج

تک مسلمانوں کا عام عقیدہ (بہ استثنائے شاذ ونادر) یہی رہا ہے کہ معراج میں اس جسمِ ظاہری کے ساتھ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک جانا ایسا متفق علیہ ہے جس کا انکار موجبِ کفر ہے کہ خود قرآن پاک میں اس کی تصریح موجود ہے اور بیت المقدس سے افلاک تک جانا بھی جسمانی ہی معراج تھی۔ سلفِ صالحین میں بھی جس طبقہ نے اس کو روحانی مانا ہے وہ بھی اس نظر سے نہیں مانا جس لحاظ سے آج کا تاریک الخیال فلسفی طبقہ اس کا منکر ہے۔ بلکہ روایت کی نوعیت و ثبوت پر اس خیال کا مدار ہے۔ صحت و ثبوت روایت کے بعد امکان و عدم امکان کی بحث کے ماتحت یہ اختلاف کسی نے نہیں کیا۔

چونکہ یہ موقعہ مناظرہ و مباحثہ کا نہیں اس لئے اس کو طول نہیں دیا جاتا صرف اشارتاً بہ نظر اصلاح خیال فلسفیان حال اتنا ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ جن معجزات کو خلافِ عقل و فطرت سمجھ کر آپ کی طرف سے انکار کیا جاتا تھا مشیت نے ان سب کو آج مادی شکل میں آپ کے سامنے پیش اور انکار کا خاتمہ کر دیا۔ ملاحظہ ہو تختِ سلیمان علیہ السلام کا ثبوت آج ہوائی جہازوں کی رفتار و پرواز سے کیسا عیاں ہو گیا۔ دُور دراز تک آواز پہونچانے کا ثبوت ٹیلی گراف اور لاسلکی سے کیسا ملا۔ حجر و شجر کی اطاعت و انقیاد اور اسلام و تکلم کا اثبات ڈاکٹر بوس

کلکتہ کی تازہ تحقیقات نے کیسا دیا جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ نباتات
تمام کیفیاتِ نفسانی سے متصف ہیں۔ کھاتے ہیں۔ پیتے ہیں۔ سوتے
ہیں۔ جاگتے ہیں۔ سنتے ہیں۔ بولتے ہیں اور طرفہ تر یہ کہ آپ اس تحقیقات
پر کس اخلاص سے یقین رکھتے ہیں اور محقق کی تحقیقات انیق پر کیسی
پرزور تحسین فرما کر داد دیتے ہیں۔

"معراج" کا امکان فلسفیان حال اور سائنس دانانِ باکمال
کی ان مہموں سے کیسا صاف اور روشن ہو گیا جو کرۂ مریخ پر چڑھائی
کر رہے ہیں یا کرۂ قمر کی بستی کا پتہ لگا کر ان تک پہونچنے کی کوشش
کر رہے ہیں وہاں کی آبادی سے بات چیت کرنے کا امکان تسلیم
کرا چکے ہیں۔ جب مادّی آلات سے چاند۔ سورج۔ مریخ تک کا امکان
پیدا ہو گیا اور اسی جسمِ خاکی کے ساتھ۔ تو جس مقام پر خالقِ کائنات اپنے
حبیب پاک کو لے جانا چاہے اور لے جائے اس میں آپ کی عقل اور
اور خیالات کیوں مانع ہوں اور مسلّمات اہلِ اسلام میں کیوں شبہ کیا جائے
مسئلہ "گاؤکشی" پر جناب شاد نے جو کچھ حکیمانہ انداز سے حوالۂ قلم فرمایا
مجھے اس سے اتفاق ہے جس کے متعلق جناب شاد کو میں داد دئے بغیر نہیں
رہ سکتا کہ "دوست"، گئو رکھشا کی تبلیغ نہایت حکیمانہ انداز سے آپ نے فرمائی
اور میں نہایت فراخ حوصلگی سے آپ کی تائید کر کے مسلمانوں کو توجہ دلاتا

ہوں کہ واقعی ہمسایہ اقوام کا لحاظ اور برادرانِ وطن کا پاس خاطر آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ حتی الامکان اُن کی دل شکنی سے احتراز کیا جائے لیکن نہایت ادب سے اس گذارش پر بھی مجبور ہوں کہ اگر طاقت یا پالیسی یا قانون کے ذریعہ ابنائے وطن مسلمانوں کو کسی جائز اسلامی حق سے بہ جبر محروم کرنے کی سعی کریں تو پھر مسلمانوں کا مذہبی فرض ہو جاتا ہے کہ اس کا تحفظ کریں خواہ قانونی و اخلاقی رواداری کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر برادرانِ وطن ان کو مجبور نہ کریں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان کبھی جرم بے مروتی و تنگ خیالی کو کام میں نہ لائیں گے۔

میں اس دیباچہ کے خاتمہ پر تمام اہل اسلام سے ملتمس ہوں کہ یہ تقریر سیرت اس قابل ہے کہ ہر فردِ مسلم اس کو زیر مطالعہ رکھے تاکہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک اعلیٰ ذخیرہ ہمہ وقت ذہن میں حاضر رہے اور اپنے غیر مسلم حلقۂ احباب میں جس کثرت سے ممکن ہو اس کی اشاعت کی جائے تاکہ ہمارے مذہب اور ہمارے آقائے نامدار احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن و اخلاق کے وہ خط و خال ہر ایک کے سامنے آجائیں جن کو چھپانے کے لئے عیار و غدار مخالفین نے غلط الزامات و توہمات کے تہ بہ تہ پردے ڈال رکھے ہیں اور جن کا دور ہونا دراصل منافرت و مخالفتِ باہمی کی بیخ کنی اور اعتماد و محبت کی تخم ریزی ہوگی

واللہ الموفق للسداد۔
الملتمس محمد یونس عفا اللہ عنہ ساکن رڈول ضلع میرٹھ حال منتظم دارالعلوم معینیہ عثمانیہ درگاہ معلیٰ اجمیر شریف ۴ جولائی ۳۵ء

(۲) نقلِ خط

جناب ڈاکٹر گلاب چند صاحب باٹئی ایل ایم پی ایڈیٹر اخبار چندر پرکاش آنریری مجسٹریٹ اجمیر

زیدی صاحب۔ آداب عرض۔ آج کے جلسہ میں شامل ہوکر میری طبیعت بہت خوش ہوئی اور آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے اچھے جلسہ میں بلایا۔ سب لیکچر عمدہ اور اثر کرنے والے تھے۔ میرے دوست شاد صاحب کی تقریر سن کر دل بے حد خوش ہوا۔ اس سے پہلے میرے جو خراب خیال اسلام کے بارے میں تھے ان میں بہت سے اس تقریر سے دور ہوگئے اور اسی لئے چاہتا ہوں کہ ایسے جلسے اکثر ہوا کریں اور خاص طور سے ہندو بلائے جائیں جن میں یہ بھرم پھیلا ہوا ہے کہ اسلام تلوار کے

زورسے پھیلایا گیا۔ یقین ہے کہ میری طرح دوسروں کے بھی ایسے خیالات مٹ جائیں گے۔ میری رائے میں اس تقریر کو اردو ہندی میں چھپوا کر ہندوؤں میں مفت میں بانٹا جائے۔ اور آپ کو دوسروں کو جناب شاد صاحب کا شکرگذار ہونا چاہئے کہ نہ صرف اُن کی وجہ سے جلسہ میں رونق رہی بلکہ اُن کی بدولت سچائی کے ساتھ پرچار میں امداد ملی۔

آپ کا (ڈاکٹر) گلاب چند باٹھنی
۱۶؍ جنوری ۱۹۵۵ء

---

(۳) تقریظ

ازمولنا مولوی منشی محمد ایوب صاحب بانغ اکبرآبادی مقیم اجمیر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

میرے محب دیرینہ منشی للتا پرشاد صاحب شاد میرٹھی نے جو تقریر جامع و دلپذیر سیرۃ النبیؐ کے جلسہ میں فرمائی تھی وہ اس وقت کتاب کی صورت میں ہدیۂ ناظرین ہے۔ اسکی تعریف بہ مصداق۔

"خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست"

میرے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ اس تقریر کا جو اثر عوام الناس

دسامعین پر ہوا۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ ہر شخص عالم محویت میں ساکت تھا۔ اور بعد ختم جلسہ ہر شخص رطب اللسانی میں سرگرم۔

جس صاف گوئی سے آپ نے ہندو مسلمانوں کو سبق دیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ آپ نے عقائد اور خیالات کا مکمل آئینہ پیش فرما کر صفائیِ دل کا بیّن ثبوت بہم پہونچایا۔ عجیب بات یہ ہے کہ باوجود غیر مذہب ہونے کے ایسی زبردست معلومات حاصل کی جو ہر شخص کا حصّہ نہیں ہے اور یہ شاد صاحب موصوف کی علمیت اور شخصیت کا اعلیٰ اظہار ہے۔

جس طرح آپ رنگِ شاعری میں بے نظیر ہیں ماشا اللہ معلوماتِ مذہبی غیر اقوام میں بھی بے بدل ہیں۔

اللہ پاک جل و علیٰ اُن کی طبیعت میں مزید صفائی عطا فرمائے آمین۔

احقر خاکپائے فقرا محمد ایوب تائب اکبرآبادی

۵ جولائی ۳۵ء مطابق ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

(۴) رائے

از مصوّرِ فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی مشہور معروف مصنف مدیر اخبارات و سجادہ نشین درگاہ شریف حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا، دہلی

میں نے منشی للتا پرشاد صاحب شاد کی وہ تقریر پڑھی جو انھوں نے مجلس عید میلاد کے موقعہ پر اجمیر شریف میں کی تھی۔ اس پر جو تقریظیں درج ہیں اُن کو بھی دیکھا۔

اس تقریظ کو رسالہ کی صورت میں شائع کرنا مفید ہے میں نفسِ تقریر کی نسبت یہ کہہ سکتا ہوں کہ انھوں نے یہ خیالات ایک بے غرض اور مخلص محقق کی طرح ظاہر کئے ہیں۔ نمود کی غرض اس سے نہیں معلوم ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے معراج وغیرہ چند مسائل کی نسبت اپنا عقیدہ ظاہر کرنے میں عوام کی رعایت نہیں کی۔ اگر وہ مسلمانوں کو خوش کرنے کیلئے تقریر کرتے تو اُن کے سب عقائد کی تائید کر دیتے۔

میں نے حیدرآباد دکن میں ایک انگریز خاتون کو دیکھا تھا جو مسلمان ہیں۔ اور زنانہ کالج کی پرنسپل ہیں کہ وہ شیعہ عقائد رکھتی تھیں۔ ایسے

ہی منشی شاد بھی شیعہ عقائد کی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کے ہم تخلص یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر صدر اعظم حیدرآباد نے بھی گذشتہ سال حُبِ اہلبیت میں ایک خاص اعلان شائع کیا تھا لہذا اس مسئلہ میں منشی شاد پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا اور اُن کی یہ مخلصانہ تحریر اس قابل معلوم ہوتی ہے کہ اسکی تمام مسلمان قوم قدر کرے۔ اور اس تقریر کو رغبت کے ساتھ مطالعہ میں لائے اور ہر جگہ اس تقریر کو مجلسوں میں پڑھا جائے۔

حسن نظامی دہلوی

یکم جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

---

(۵) رائے

از الحاج مولانا ابوالقلم حضرت حسن الدین صاحب خاموش ایڈیٹر اخبار دبدبہ فتح پور

میری پُر مسرت حیرت:۔

میں نے اپنے پُرانے دوست بابو للتا پرشاد صاحب المتخلص بہ شاد میرٹھی کا نامسودۂ تقریر پڑھا جو اُنھوں نے مسلمانوں کی استدعا

پر اجمیر کے جلسۂ عید میلاد میں پڑھ کر سنایا تھا۔ خوشی تو مجھے اس بات کی ہوئی کہ ہمارا ملک ہندوستان اُس وقت جنت نشاں بن سکتا ہے جب کہ شاد میرٹھی جیسے لوگ کثرت سے پیدا ہوں۔ حیرت اس پر ہے کہ ممدوح نے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری لائف کو ایسے مختصر پیرایہ میں بیان کر کے سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ میں تو اس پر اور بھی متحیّر ہوں کہ ایک غیر مسلم کے وسیع مطالعہ کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر میں مسلمان ہوتے ہوئے کوئی تقریر سیرتِ رسول پر کرتا تو بس ایسی ہی کر سکتا۔ اگر ممدوح اجازت دیں تو آئندہ سے میں تو انھیں "مولانا للتاپرشاد شاد" لکھا کروں۔

میری بڑی دیرینہ تمنا ہے کہ "اتحاد بین المسلم والہنود" کی صرف یہی ترکیب ہے کہ ایک دوسرے کے رہنماؤں کو ادب اور عزت سے یاد کریں اور مذہب کے روشن پہلوؤں پر نگاہ رکھیں۔ جیسا کہ عزیز شاد نے کیا ہے۔

شاد صاحب کا ارادہ ہے کہ اس تقریر کو طبع کرائیں۔ نہایت مناسب ہے مگر میں یہ مشورہ دوں گا کہ اردو ایڈیشن کے ساتھ ساتھ ایک ہندی ایڈیشن بھی وہ طبع کرائیں تاکہ ہندو حضرات زیادہ پڑھیں اور اُن کے دلوں سے غلط خیال اور تعصب دور ہو اور

ایسی تقریروں کا مقصدِ اعظم یہی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ مسلمان تو اپنے پیشوا یا رسول کو اس سے بھی زیادہ جانتے اور مانتے ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح حضرت خواجہ حسن نظامی مدظلہ نے کرشن علیہ السلام کی لائف لکھ کر اردو میں طبع کرائی اور مسلمانوں کے گھر گھر میں پہونچا دی اسی طرح جو غیر مسلم حضرات حضرت رسولِ کریم کی سیرت پر کوئی تصنیف کریں اُن کا بہترین فرض یہ ہے کہ اُسے ہندی میں طبع کرا کر ہندو بھائیوں کے ہاتھوں تک پہونچائیں۔

میں یہ بھی پڑھ کر خوش ہوا کہ شاد صاحب نے اپنی تقریر کے سلسلہ میں گئورکشا کا فرض ادا کرتے ہوئے اپنے ہندو ہونے کا ثبوت واضح کر دیا ہے۔ میں خود باوجود ایک پکا مسلمان ہونے کے گاؤکشی کا کبھی مؤید نہیں ہوا اور ہمیشہ اپنے بھائیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اتحادِ ملکی پر سے "زبان کے ذائقہ" کو قربان کر دینے میں کبھی دریغ نہ کریں۔

ایک جگہ اپنی تقریر میں شاد صاحب نے فرمایا ہے کہ حضرت رسولِ کریم کی معراج کے متعلق اُن کا اعتقاد ہے کہ وہ رُوحانی تھی نہ کہ جسمانی۔ میں کہتا ہوں اس میں کونسی ہرج کی بات ہے خود مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو یہی کہتا ہے جو جناب شاد فرماتے ہیں۔ بہرحال میں شاد صاحب کو اُن کی نیک خیالی اور خوش اعتقادی پر مبارکباد دیتا ہوں اور

اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے مُرشد کو اُن پر اور بھی مہربان کرے
تاکہ اُن کی روحانی ترقی مزید ترقی کرے۔

دُعاگو۔ **خاموش فتح پوری**
دفتر دلچسپ اخبار فتح پور ہسوہ
۲۰ر دسمبر ۱۹۳۵ء

جذباتِ شاد

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

جنابِ صدر و حاضرینِ جلسہ :-

میں کارکنان و منتظمانِ سیرت کمیٹی کا تہِ دل سے شکرگذار ہوں کہ انھوں نے میرے دیرینہ رفیق مولانا سید محمد صاحب زیدی سکریٹری کے ذریعہ مجھے اس امر کے لئے مجبور کیا کہ میں بھی آج اپنے خیالات کا کچھ اظہار کروں۔

صاحبان آج کا دن مسلمانوں کیلئے ہی نہیں بلکہ ہر متنفس کے لئے تاریخی اور مذہبی نقطۂ نگاہ سے نہایت قیمتی ہے کہ عرب میں جہالت کا مٹانے والا مُصلح۔ اسلام کا جھنڈا لہرانے والا پیغمبر۔ قرآن شریف کا پیغام پہونچانے والا نبی۔ تمام دنیا میں تہلکہ مچا دینے والا جری۔ جُہلا میں زبردست اصلاح کر دینے والا ریفارمر اور ایک بالکل انوکھے اور نئے مذہب کی مشعل دکھانے والا ہادی اس روز دنیا میں آیا اور جس نے ایک مختصر سے عرصہ میں اپنی تعلیم سے تمام عالم

کے بہت بڑے حصہ کو باخبر و ہوشیار کر دیا۔

ولادت

کون جانتا تھا کہ یہ محض اُمّی اور اَن پڑھ لڑکا کسی روز بڑے بڑے علماء و فضلاء کا ناطقہ بند کر دے گا اور کون کہہ سکتا تھا کہ اس یتیم کے نام لیوا کبھی روئے دنیا پر چالیس (۴۰) کروڑ سے بھی زیادہ انسان ہو جائیں گے۔

حضرات! تمام مذاہب کے پیشوا اور بانی مبانی بڑے بڑے گھرانوں میں پیدا ہوئے اور اُن کی پیدائش کے وقت زبردست خوشیاں منائی گئیں۔ عیسائیوں کے حضرت مسیح، بودھوں کے بھگوان بدھ، ہندوؤں کے مہاراج کرشن، یہودیوں کے جناب موسیٰ، جینیوں کے مہابیر سوامی اور سکھوں کے گورو نانک صاحب غرض تمام بانیانِ مذاہب کا بچپن نہایت لاڈ پیار میں گذرا ہوا نظر آتا ہے مگر برخلاف ازیں حضرت محمد صاحب کی پیدائش سے پہلے ہی اُن کی مصیبت کا آغاز ہو گیا۔ کس قدر حسرت خیز کس قدر رنج دہ اور کس قدر دل شکن واقعہ ہے کہ آپ کی ولادت سے چند ماہ پیشتر ہی آپ کے والد بزرگوار حضرت عبداللہ کا انتقال دورانِ سفر میں ہو گیا۔ والدہ ماجدہ نے چھ سال تک جیسے تیسے پرورش کی اور پھر وہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ پھر دو سال تک دادا صاحب کے زیرِ

سایہ دن نکالے کہ آٹھویں سال وہ بھی رحلت فرما گئے۔ ذرا خیال کیجئے کہ ایک شخص دنیا میں کچھ پیغام و اصول لے کر آتا ہے مگر بچپن ہی میں اسکی آسائش و تعلیم کے تمام ذرائع قطعاً مسدود و بند ہو جاتے ہیں۔ کیا کرشمۂ قدرت ہے کہ ان تمام دردناک آفاتِ ناگہانی کے باوجود وہی ہستی آج ایک کثیر انسانی حصّہ کی رہنما و ہادی مانی جا رہی ہے اور اُسی برگزیدہ ہستی نے عرب جیسے جاہل مُلک میں رہ کر بہ حالتِ بے سروسامانی اہلِ عالم کو رسالت کا پیغام سُنایا ؎

کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

عادات و خصلت

آپ کے استقلال، آپ کی راست بازی، آپ کی دیانت داری اور آپ کی ایمان داری کو اگر مسلمان مانتے ہیں تو تعجب نہیں۔ حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ ان امور کی تعریف و توصیف میں آپ کے زبردست مخالف و جانی دشمن غیر مسلم ابوجہل اور ابوسفیان بھی اپنی آواز بلند کرتے رہے ہیں۔ انسان کی اصل تعریف وہ ہے جو دشمن کی زبان سے نکلے اور صحیح برائی وہ ہے جسے دوست اپنے منہ سے کہہ دے۔ اس لئے اس

میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا کہ راستی و دیانت میں اپنی مثال آپ خود ہی سہتے۔ کاش آج اُس پاکیزہ ہستی کے نام لیوا مسلمان بھی ان باتوں میں صحیح نمونہ بنیں اور دُنیا سے خراج تحسین حاصل کرتے رہیں۔

اہلِ عرب کی عادت نہایت خراب۔ اخلاقی حالت بے حد پست جہالت کی بے انتہا زیادتی اور جُوا۔ شراب خواری۔ زنا کاری وغیرہ عیوب کی بے اندازہ کثرت تھی۔ بت پرستی۔ جنگ و جدل اور لوٹ مار کی بھرمار تھی لیکن ماشاء اللہ آپ کے طفیل میں آج عرب کی ایسی کایا پلٹ ہوگئی کہ زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ اب وہاں یہ حال ہے کہ باشندے سیدھے سادے مسافر نواز، محنتی، مہمان نواز، ایمان دار، ہمدرد حامیٔ مساوات اور باخدا نظر آتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ حضرت محمد صاحب کی پرہیزگاری اور خوش اخلاقی بچپن اور جوانی میں نہایت قابلِ قدر رہی اور چالیس سال کے بعد آپ نے رسالت کا دعوےٰ فرمایا تھا۔

نکاح و مستورات

مجھے حیرت تھی کہ اسلام میں بیک وقت ایک سے زیادہ یعنی چار نکاح کی اجازت کیوں دی گئی۔ لیکن جب کہ زمانۂ جاہلیت کی "تاریخ

پڑھی اور معلوم ہوا کہ ایک ایک شخص بے گنتی حتیٰ کہ بعض دو دو سو عورتیں تک گھر میں ڈال لیتا تھا تو میں آنحضرت کے زبردست رلیفارم کا قائل ہو گیا کہ ایک خاص تعداد مقرر کر کے نکاح کو محدود کر دیا اور اس میں بھی اس قدر پیچ اور شرط لگا دی کہ ہر مسلمان کے لئے ایک سے زیادہ بیوی رکھنا درست نظر نہیں آتا۔ طلاق و خلع کا حق بھی مرد و عورت دونوں کو عطا کر دیا۔ پہلے عورتوں کی حیثیت مویشی سے زیادہ نہ تھی۔ اب خود ترکہ تک میں اُن کا حق قایم ہو گیا۔

قریش اکثر اوقات برہنہ ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے جن میں مستورات بھی شامل رہتی تھیں۔ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ دیکھئے کہ باپ کے مرنے پر اُس کی تمام بیویاں بیٹے کے قبضۂ نکاح میں آجاتی تھیں۔ صرف حقیقی ماں چھوڑ دی جاتی تھی۔ کیا سوشیل رلیفارمر اس امر سے انکار کر سکتے ہیں کہ آج جو نمایاں تبدیلی وہاں نظر آتی ہے۔ یہ سب اُسی رسول کی ہستی کے اثر و احسان کی بدولت ہے۔

مساوات و رواداری

باہمی رواداری اور مساوات کے لئے جتنا کام اسلام نے انجام دیا ہے میرے خیال میں اتنا کسی دُوسرے مذہب میں نظر نہیں آتا

اونچ نیچ کے فرق کی دُوری، غلامی کا انسداد، حبشیوں کا آزاد ہونا محمد صاحب کی بدولت آج دنیا بھر میں شوق و قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور گو غلامی کی بلا ہٹانے کیلئے چند یورپین درد مند ریفارمروں کے نام بھی شکریہ و عزت کے ساتھ لئے جاتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ اس کی بنیاد پیغمبر اسلام نے ہی عرب میں ڈالی ہے۔ حضرت بلال خود حبشی تھے حضرت صہیب رومی بھی غلام تھے۔ حضرت بلال نے اسلام کی بدولت یہ مرتبہ حاصل کیا کہ مسجد نبوی کے سب سے بلند منارہ پر چڑھ کر اذان دینے کے لئے مامور ہوئے اور حضرت صہیب کو صحابہ کی امامت کا منصب حاصل ہوا

جُہلائے عرب میں یہ تبدیلی ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر ہوئی تھی۔ مگر آج اس ترقی کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ غریب دیسی عیسائی یوروپین کلبوں کے ممبر تک نہیں بن سکتے اور خارجاً سنا ہے کہ مدراس کی طرف گرجاؤں میں ہندوستانی عیسائیوں کو صرف نیچے زمین پر بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ ادھر مہذب ملک امریکہ میں بے کس حبشیوں پر کیسا ظلم ہو رہا ہے کہ زندہ تک جلا دئے جاتے ہیں۔ ہندوؤں میں اچھوتوں کے سوال نے جو ہلچل مچا رکھی ہے وہ اخبار بین اصحاب سے پوشیدہ نہیں۔ کہیں مہاتما گاندھی کو برت رکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو کہیں ڈاکٹر امبیدکر کو مخالفانہ لیکچروں کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ ایسا فرمائیے

کہ رسولِ عربی کے احسانِ عظیم کی تعریف کی جائے تو کیا بیجا ہے ؎

غبارِ راہ ہیں پر لیے ہوائے عالمِ بالا
فلک پر ایک دن پہونچیں گے ہم اس خاکساری سے

خوش اخلاقی

حبشی اور غلام تو خیر بڑی چیز ہیں۔ آپ کے اخلاق و مساوات کا یہ حال تھا کہ کسی جانور اور کسی بچے تک کو کبھی نہیں مارا۔ کبھی کسی غلام کو سزا نہیں دی زبان سے کسی کے لئے کوئی گالی عمر بھر استعمال نہیں کی ایک بار بلی کو پیاسا دیکھا تو خود اپنے وضو کے لوٹے سے پانی پلا دیا جنگ میں قیدیوں کا خوب احترام کرتے تھے۔ وقت کی پابندی سے انھیں غذا دیتے تھے۔ کسی قوم کا سردار آتا تو نہایت عزت کرتے تھے۔ دوسرے مذہب کے اہلِ علم اور بزرگوں سے بہت خوش خلقی سے پیش آتے تھے جہاں رات دن امت کی مغفرت کے لئے دعا مانگتے تھے وہاں دشمنوں کے لئے بھی نیک ہدایت کی دعا فرماتے تھے۔ عام نصیحت یہ تھی کہ مخلوق پر رحم کرو اور اللہ سے ڈرو۔ سخاوت و فیاضی میں بے مثل تھے کوئی سائل کسی مذہب اور کسی گروہ کا ایسا نہ تھا جو ان کے دروازہ سے

محروم و مایوس واپس گیا ہو۔ اپنے پاس دینے کو کچھ نہ ہوتا تھا تو قرض لیکر بھی اُس کا سوال پورا فرما دیتے تھے۔ خود بہت کم کھاتے اور کم سوتے تھے تو تعجب ہی کیا تھا کیونکہ یہ دونوں باتیں خدا پرستوں۔ درویشوں نبیوں۔ ولیوں۔ یوگیوں۔ اوتاروں اور رشیوں مہاتماؤں میں ہمیشہ ہوا ہی کرتی ہیں۔ داد و دہش کی بدولت آپ اکثر قرض دار بھی رہتے تھے۔ کسی یہودی قرض خواہ نے ایک بار سر بازار آپ کو پکڑ لیا اُس زمانہ میں اسلام کا خاصہ زور ہو چکا تھا مگر آپ کی انصاف پرستی اور رواداری کا مزا دیکھئے کہ اُس نے بہت کچھ سخت و سست کہا پھر بھی آپ نے برا نہ مانا اور گو گستاخی کی سزا دے سکتے تھے مگر نہایت ملایم الفاظ میں کہا کہ ” ابھی تو وعدہ میں کئی دن باقی ہیں۔ ناراض کیوں ہوتے ہو معاف کرو۔ وعدہ کے دن سے پہلے ہی تمہارا روپیہ تمہیں مل جائیگا۔

مکہ میں ایک بارسوخ عورت نے دام طمع میں پھنس کر چوری کی جس کا نام فاطمہ تھا۔ ہر طرف سے سفارشیں پہونچنے لگیں کہ کسی طرح معافی مل جائے مگر آپ نے فرمایا کہ اگر اس کے بجائے میری حقیقی دختر فاطمہ بھی ہوتی تو بھی سزا دیتا۔ کاش اس منصفی کی مثال سے آج بھی پبلک میں سبق لیا جائے۔

آپ نے احکام نافذ فرمائے کہ دشمن کی لاش کو خراب نہ کیا جائے۔ عورتوں

اور بچّوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اعضا کاٹ کاٹ کر ہلاک کرنا اور اعضاء کا آگ میں جلانا قطعی ممنوع قرار دیا۔ افسوس ہے کہ اس حکم کے باوجود بھی فیروز آباد کے بلوہ میں بارہ معصوم انسانوں کو بند مکان میں آگ لگا کر زندہ پھونک دیا۔ اور کانپور کے بلوہ میں سچے خادم وطن گنیش شنکر ودیارتھی کو زبردستی پکڑ کر ایسا جلایا کہ لاش تک نہ پہچانی گئی۔ ایسے نام نہاد مسلمان ہی اسلام کو بدنام کرنے والے ہیں۔

بے قراری سے مری آہ وہ آگاہ نہیں
جس کا میں چاہنے والا ہوں اُسے چاہ نہیں

انسداد غلامی

اہل عرب اور یہود و نصاریٰ میں غلامی کی بد رسم بہت ہی رائج تھی اسیرانِ جنگ غلام بنا لئے جاتے تھے اور اُن کی عورتوں پر وحشیانہ تصرّف ہوتا تھا۔ لونڈی غلاموں کی فروخت ہوتی تھی اور ترکہ کی طرح تقسیم کی جاتی تھیں۔ بیچارے بڑی ذلت و حقارت کی زندگی بسر کرتے تھے کہ بعض حالتوں میں جانور بھی اُن سے اچھے تھے۔ آپ کے الطاف و کرم کی بدولت اس مصیبت سے اُن کی خلاصی ہو گئی۔ مگر آہستہ آہستہ اور بتدریج

کیونکہ عربی طرز معاشرت میں شراب کی طرح غلامی بھی ایک جزو خاص بن گئی تھی۔

ابوذر غفاری ایک دن غصہ میں اپنے غلام کو گالی دے بیٹھے آپ نے فرمایا کہ تجھ میں ابھی امر جاہلیت باقی ہے۔ غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاؤ اور جو آپ پہنو وہ انھیں بھی پہناؤ۔ کام اتنا دو کہ وہ یہ آسانی کر سکے۔ ورنہ زیادہ کام ہو تو خود امداد کرو۔

ہم کو خالق نے کیا بے سروساماں پیدا
نہ تو دامن ہے میسر نہ گریباں پیدا

فرمایا کہ سب مرد خدا کے بندے ہیں اور سب عورتیں خدا کی بندیاں ہیں۔ ایک دن دیکھا کہ ابومسعود اپنے غلام کو کوڑے مار رہے ہیں۔ فرمایا کہ یاد رکھو تم پر خدا کو اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے جتنی تمہیں اس غلام پر ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ بار بار قصور کرتا ہے۔ فرمایا کہ معاف کیا کرو کہا کہ کہاں تک معاف کروں۔ دن بھر کتنے ہی قصور کرتا ہے۔ فرمایا کہ ستّر بار روزانہ معاف کر دیا کرو۔ ابومسعود یہ سن کر تھرّا اُٹھا اور کہا کہ یا رسول اللہ میں خدا کی راہ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ فرمایا کہ اگر تو اسے آزاد نہ کرتا تو واللہ آتش دوزخ میں جلتا ؎

۔ دھونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

رحم دلی

عُمرو بن اُمیّہ جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جاہلیت کے عالم میں دوسرے عربوں کی طرح دشمن کو غفلت یا خواب میں یا دُہوکہ سے قتل کر دینے کیلئے بدنام تھے۔ جو لوگ امن و سایہ میں آجاتے تھے اُنھیں تک مار ڈالتے تھے یہ کیفیت ایامِ جہالت میں تمام عرب کی تھی۔ چنانچہ ابُو سفیان نے ایک دن قریشیوں سے کہا کہ کیا محمدؐ کو مدینہ کے بازاروں میں پھرتے ہوئے بہ حالتِ غفلت کوئی قتل کر سکتا ہے۔ ایک بدوی تیار ہو گیا۔ اور خنجر چھپا کر چلا۔ آں حضرتؐ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ بدوی روبرو آیا آپ نے اُسے دیکھ کر معاً فرمایا کہ یہ شخص غدّار نظر آتا ہے۔ ایک صحابی نے فوراً جایزہ لیا اور پائجامہ سے خنجر برآمد ہوا۔ اب تو اُس شقی نے گڑگڑا کر اماں مانگی اور آں حضرتؐ کا رحم ملاحظہ فرمائیے کہ آپ نے قطعی معاف کر دیا اور سارا حال سُن کر اُسے چھوڑ دیا۔ صاحبان آپ کو معلوم ہے کہ اس رحم و کرم کا کیا نتیجہ نکلا؟ وہ بدوی حضرتؐ کے اس طرزِ عمل سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ ع :-

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

رحم و اخلاق کے رات دن ایسے معاملات دیکھ کر خالد ابنِ ولید
کا دل بھی کچھ پسیجا۔ چنانچہ اُس نے آپ کو چند گھوڑے نذر کئے اُس
وقت تک وہ آپ کا اور اسلام کا سخت مخالف بلکہ جانی دشمن
تھا اور مخالفوں کی طرف سے بڑی بہادری اور دلیری سے لڑا
کرتا تھا۔ اس نذر پر ابوسفیان بہت برہم ہوا اور خالد سے لڑنے
لگا لیکن واقعات سے متاثر ہو کر دشمنوں کے کیمپ میں بھی خالد کے
کئی طرف دار ہو گئے تھے ؎

عجز نے میرے اُڑایا آپ کے دل کا غبار
خاکساری میں اثر ہے سرمۂ تسخیر کا

ایک بار قریش پر حملہ کرنے کے لئے آپ نے خاموش و خفیہ تیاریاں
کیں مگر ایک صحابی حاطب نامی نے تمام باتوں کی خبر مخالف کیمپ کو
بھیج دی۔ حضرت عمر نے قاصد کو پکڑ لیا اور خط پڑھا گیا تو سب نے حاطب
کو قتل کی سزا دینی چاہی مگر آپ نے بالکل معاف کر دیا۔

ایک روز دورانِ خطبہ میں تمام قریشیوں کو آزاد و معاف کر دیا
جس کا اتنا لاجواب اثر ہوا کہ صدہا مرد و عورت حتیٰ کہ بہت سے قریش
خود بھی مسلمان ہو گئے اور ابوسفیان کی بیوی اور اُس کے بیٹے کی بہو
بھی جان نثار بن گئیں۔

خالد بن ولید نے مسلمان ہونے کے بعد چند بے گناہوں کو محض غلط فہمی سے قتل کر دیا۔ آپ اس حادثہ کا حال سن کر بے تابانہ کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمانے لگے کہ خداوندا جو کچھ خالد نے کیا میں اس سے بری ہوں اور پھر حضرت علی کو بھیج کر مقتولوں اور ان کے جانوروں کا خون بہا وارثوں کو دلایا۔

لطف جینے کا یہ ہے جان کسی پر نکلے
نہ جیئے وہ۔ جسے مرنے سے سروکار نہیں

غربت و سادگی

آپ کی غربت و سادگی کا حال بیان کرنا مشکل ہے۔ کھانا جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ محض سادہ اور مقدار میں بہت کم ہوتا تھا۔ کپڑے ہمیشہ ارزاں۔ معمولی اور اکثر پیوند لگے ہوئے پہنتے تھے۔ وفات کے بعد حضرت عائشہ نے رسول کی زندگی بسر کرنے کا تذکرہ اس طرح کیا کہ گھر میں سے ایک کمبل نکال کر دکھایا۔ جس میں کئی پیوند تھے اور جا بجا پھٹا ہوا تھا۔ یہی کمبل رسول کے استعمال میں وقت وفات تھا۔

خیاطا قطع کر تو مجھ کر لباس یار
رشتہ مری حیات کا اُس پیرہن سے ہے

بعض اوقات تیل کی کمی کے باعث حجرہ میں روشنی تک نہ ہو سکتی تھی اور اندھیرے میں ہی رات کٹتی تھی۔ آپ کے انتقال کے وقت حضرت عائشہ نے ایک ہمسایہ سے تیل مانگ کر روشنی کی تھی ؎

کولھو میں گردش نگہ یار سے لیا
تل تیل ہو کے بہہ گیا چشم غزال کا

آپ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ چکی پیستی اور گھر کا تمام کام دھندا کرتی تھیں حتیٰ کہ ہتھیلی پر چھالے پڑ گئے تھے۔ حضرت علی خود پانی بھرتے تھے۔ مگر جرأت و روحانیت میں اُن کے دشمن اُنکے سامنے پانی بھرتے تھے۔

جنابہ سیدہ نے ایک بار حضرت علی کی تحریک سے چاہا کہ وہ ایک خادم مانگ لیں اور گو ہر چند دق اور پریشان تھیں مگر پھر بھی فرمائش کرتے ہوئے شرم سی محسوس ہوئی۔

ایک شب کا ذکر ہے کہ آپ کو خوب نیند آئی۔ صبح اُٹھنے پر دریافت فرمایا کہ کیا بستر بچھایا تھا جو اس قدر آرام ملا۔ معلوم ہوا کہ روزانہ استعمال کا ٹاٹ ہی بچھایا گیا تھا مگر اتفاقاً اُس روز

ر اس کی چارنہ کردی گئی تھیں۔ مرتے وقت موٹے کھدّر کا تہمد اور ایک پیوند لگا ہوا کمبل جسم پر تھا۔

آپ کی سادگی کا اثر صحابیوں پر بھی خوب پڑا۔ حضرت ابوبکر صدیق تاجر تھے۔ بعد وفات رسول خلیفہ منتخب ہوئے اور سب نے بیعت کی مگر باوجود اس شان و عزت کے اگلے روز ہی کپڑوں کی گٹھری کندھوں پر رکھ کر بیچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ انسانی ذمہ داری کا اتنا احساس فی زمانہ نہایت مشکل ہے۔

حضرت ابوبکر کا قول تھا کہ جو کم زور ہے وہ قوی ہے انشا اللہ اُس کا حق دلاؤں گا۔ اور جو قوی ہے وہ کم زور ہے اُس سے حق لیکر رہوں گا۔ آج اس مقولہ کے برعکس " جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ پردۂ عالم پر کمزوروں پر ہی حکومت کی جاتی ہے۔ ایسا کون ہے جو اپنی طاقت و قوت کا مظاہرہ اور گھمنڈ نہ کرتا ہو۔

ایک روز حضرت علی نے اپنے کسی دشمن کو جنگ میں پچھاڑ دیا۔ جو انھیں قتل کرنا چاہتا تھا۔ نیچے گر کر غصہ میں اُس نے حضرت علی کے مُنہ پر تھوک دیا۔ آپ فوراً چھاتی سے اتر پڑے اور یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ جا بھاگ جا۔ بہ حالت غصّہ قتل کرنا حرام ہے۔ اندیشہ ہے کہ کہیں تیری حرکت پر غصّہ نہ آ جائے۔

دیگر خوبیاں

حضرت محمد صاحب کی خوش خلقی اور مہمان نوازی بے نظیر تھی۔ وہ دشمن سے بھی مسکراہٹ ملایمت اور آہستگی سے گفتگو کرتے تھے۔ غصہ تو دُور رہا وہ زور تک سے نہ بولتے تھے۔ ایک بار عیسائیوں کا وفد آیا جو خاص عزت و خاطر و تواضع کے ساتھ ٹھہرایا گیا۔ اور جب اُن کی عبادت کا وقت ہوا تو خود مسجدِ نبوی کے صحن میں عبادت کے لئے اجازت عطا فرما دی۔

ایک بار کچھ پھل بطورِ تحفہ کہیں سے آئے آپ نے سب سے پہلے اُس میں سے ایک حصّہ اپنے ہمسایہ یہودی کو بھیجا اور پھر اہل و عیال میں تقسیم کرکے بعد میں خود استعمال فرمایا۔ ملک شاہ سلجوقی کے ایک فوجی افسر نے کسی غریب بیوہ کا جانور دھوکے سے ذبح کر ڈالا۔ بیوہ نے اُسے پُل پر پکڑ لیا اور بے ساختہ کہا کہ بتا تو میرا انصاف اُس پُل پر کرے گا یا قیامت کے دن پُل صراط پر۔ یہ بھی اسلام کی بدولت ایک بےکس غریب بھکاری بیوہ کی ہمت کہ بڑے فوجی افسر سے دو بدو کر بیٹھی اور پھر انصاف حاصل کیا۔

آپ اکثر غارِ حرا میں آبادی سے دُور قیام فرمایا کرتے تھے اور مراقبہ

کی حالت میں رہتے تھے۔ جہاں صرف پانی کا ایک مشکیزہ اُن کے پاس رہتا تھا ؎

مسافر ہوں، سراسیمہ ہوں، مضطر ہوں، پریشاں ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر محوِ خیالِ روئے جاناں ہوں

نزولِ وحی

وہ بھی کیا مبارک دن تھا۔ جب آپ پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اور خدا سے براہِ راست تعلق ہوگیا تھا۔ ۹ ربیع الاوّل کو حضرت جبرئیل نے پہلی ملاقات کی۔ ممکن ہے کہ اس نزولِ وحی کے تذکرہ پر بعض نئی روشنی والے احباب تمسخر اُڑائیں۔ لیکن میں اس مسئلہ پر کامل اعتقاد رکھتا ہوں۔ ہندوؤں میں اسی کو آکاش بانی کہتے ہیں۔ آپ کو اٰمنّا وصدّقنا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر کام خدا کی مرضی اور خاص مرضی سے سرانجام پاتا ہے۔ مچھلی کو تیرنا کس نے سکھایا۔ مکھی کو شہد بنانا کہاں سے آیا۔ گائے کے بچھڑے کو پیدا ہوتے ہی کودنا کس نے بتایا۔ بکری کا بچّہ ماں کا دودھ کیونکر پینے لگا۔ میں کہتا ہوں یہ سب باتیں خدا کی مرضی سے ہوتی ہیں ورنہ جانور تو کم عقل مشہور ہے۔ اگر جانور یہ سب دنیوی کو تک کرسکتا ہے تو انسان کیوں نزولِ وحی سے محروم رہتا۔ بہت سنت

میں کام کر کے دکھائے۔ روحانیت کی وجہ ہی سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔ ورنہ حق یہ ہے کہ انسان کی حیثیت و طاقت ایک معمولی جانور سے بڑھکر ہرگز نہیں ہے۔ آپ ایک بڑے پادری، ایک بڑے پنڈت اور ایک بڑے مولوی کو جنھوں نے تیرنا نہ سیکھا ہو پکڑ کر ایک تختے کے پتلے کے ساتھ کہیں سمندر میں دھکا دے دیجئے اور پھر تماشا دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے لمبے چغہ والے پادری صاحب، لمبے تلک والے پنڈت صاحب اور لمبی ریش والے مولوی صاحب تو ڈب ڈب کرتے ہوئے پانی کی تہ میں نظر آئیں گے اور چھوٹا سا پلا چپ چپ کرتا ہوا کنارہ پر آ لگے گا۔ ایک بھیڑیئے کو دس آدمیوں میں آ جانے دیجئے ادھر ایک آدمی کو دس بھیڑیوں میں چھوڑ دیجئے اور پھر دیکھئے کہ کیا تماشہ ہوتا ہے۔

انسان اگر ذی عقل اور بڑے درجہ والا ہے تو کیوں نہیں اپنا بچاؤ کر سکتا۔ کوئٹہ کے ہیبتناک زلزلہ میں ہزارہا مرد و عورت تباہ ہو گئے اور پہلے سے کچھ خبر نہ ہوئی۔ نہ بچنے کا انتظام کر سکے۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ زلزلہ آنے سے ایک ہفتہ پیشتر ہی کوّے، کبوتر اور چڑیا وغیرہ پرندے آبادیاں چھوڑ چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے تھے۔ گویا جہاں چھوٹے چھوٹے بے بس پرندوں کو قدرت کی رحمت و مصائب۔ زلزلہ و بارش و طوفان کی خبر پیش از وقت ہو جاتی ہے وہاں مدعی تہذیب۔ گھمنڈی انسان صرف

اپنی مجبوریوں اور معذوریوں پر فخر کر سکتا ہے۔ مُشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلّہ خود باید زد۔

بات یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ضرور ہے مگر اُسے صرف رُوحانیت میں شرف حاصل ہے اور کسی بات میں نہیں۔ نبی۔ رسول اولیا۔ مہاتما اور اوتار کی روحانی تعلیم کا سُننا اور اُس پر عمل کر کے عاقبت و آخرت کا سامان بہم پہنچانا صرف انسان ہی کی طاقت میں ہے۔ یہاں حیوانِ مطلق قطعی مجبور رہے ورنہ حیوانِ ناطق ہو یا حیوانِ مطلق بہ لحاظِ دُنیا کوئی فرق و تفاوت نہیں۔ سب خالق کی یکساں مخلوق ہے۔

ہر مذہب کے ہادی پیشوا برحق تھے

میں مانتا ہوں کہ ہر مذہب اور ہر مُلک میں اپنے اپنے درجہ کے اوتار اور پیغمبر ہوتے ہیں۔ ایک بار رادھا سوامی فرقہ کے موجودہ لیڈر اور دیال باغ کے بانی مبانی حضور صاحب جی مہاراج نے نہایت مدلّل اور پُرزور الفاظ میں یہ فرمایا تھا کہ دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں اُن سب کے "مقتدا" اور "رہنما" قابلِ تعظیم ہیں اور وہ سب سچے خدا رسیدہ ہادی تھے اُن کی صداقت میں ذرّہ بھر بھی شک و شبہ نہیں۔

صاحب جی مہاراج نے تمام ادیان اور بانیانِ مذاہب کی کتب سے ثبوت دے کر یہ بتایا تھا کہ سب کی تعلیم کا نچوڑ اور سب کا صحیح راستہ بھی ایک ہی تھا۔ البتہ زمانہ۔ وقت اور موسم کے لحاظ سے صرف فروعات میں فرق ہو جاتا ہے اور واقعی جب خدا ایک ہے تو اس کے پاس پہونچنے کا راستہ بھی بالیقین ایک ہی ہو سکتا ہے اور ایک ہی ہونا چاہئیے مجھے افسوس ہے کہ میں روحانی درجہ اور مذہبی نکتہ کے متعلق گفتگو کرنے کا حقدار نہیں۔ آج کل جو لوگ خواہ مخواہ اس بارہ میں بکواس کر لے گئے ہیں وہ سخت غلطی بلکہ گناہ کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بولنے کے وہی اور صرف وہی مجاز ہیں جو عالم باعمل ہوں اور جنھوں نے خدا سے وصل و قرب حاصل کر لیا ہو۔ بغیر کچھ دیکھے بھالے۔ بغیر راہِ عرفاں پہ چلے۔ بغیر تجربہ (انبھو) کئے بغیر شغل و عمل کئے۔ اور بغیر مرشد کامل کی خدمت کئے کچھ بولنا محض اندھیرے میں ڈھیلے پھینکنا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص جس نے کبھی کشتی نہیں لڑی۔ اکھاڑے میں اترا ہی نہیں۔ کسی دوسرے کو کیا خاک داؤ پیچ سکھا سکتا ہے۔ بجھے ہوئے چراغ میں یہ طاقت نہیں کہ دوسرے چراغوں کو روشن کر دے۔ البتہ ایک روشن چراغ ہزاروں لاکھوں مردہ چراغوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

شمشیر اور اسلام

اگر کوئی مہربان چراغ پا نہ ہوں تو میں صاف الفاظ میں یہ عرض کرنے کو تیار ہوں اور یہی میرا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صاحب خدا کے نبی اور رسول تھے اور ضرور تھے۔

ہوا اعتقاد آج سے ہر اہلِ ہند کا
اوتار ہے کرشن محمدؐ رسول ہے

اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اُس زمانۂ جہالت کے لئے اُن ہی جیسے جری اور جواں مرد رسول کی ضرورت تھی۔ عام طور پر غلط فہمی سے یا انگریزی تواریخ پڑھنے سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے اور طعنہ دیا جاتا ہے کہ محمدؐ صاحب نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بیان غلط اور بالکل غلط ہے۔ خدا اور خدا کا نیک بندہ کبھی تیر و تلوار کو روحانیت کا ذریعہ نہیں بنا سکتا۔ روحانی سبق کے لئے تو تسخیر القلوب کے ہتھیار کی ضرورت ہے اور صحیح حالات پڑھنے پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت محمدؐ صاحب فاتح ملک نہیں بلکہ فاتح دل تھے۔

میں یہ چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ محمد صاحب نے اپنے زمانۂ حیات میں کبھی کسی کو قتل کیا ہو یا مارا ہو یا میدان جنگ میں کہیں

اور کبھی تیغ زنی کی ہو۔ بات یہ ہے کہ حضرت مسیح کا اصول کہ اگر ایک
گال پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا رخسارہ آگے کر دیا جائے۔ یا بدھ بھگوان
کا اصول "اہنسا پرمو دھرم" عرب میں نہیں چل سکتا تھا۔ جہاں
قتل و غارت گری اور خون ریزی رات دن کا ایک تماشا اور عوام
کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بلا شبہ حضرت محمد صاحب نے اپنے صحابیوں
اور پیروکاروں کو کئی بار جنگ کرنے کی اجازت دی مگر اس کی وجہ نہ
تبلیغ تھی نہ ہوس ملک گیری۔ بلکہ صرف درماندہ نومسلموں کی حفاظت
مقصود و مدِ نظر تھی۔ ہندو تاریخ کو ملاحظہ کیجئے کہ دریودھن کے
ظلم جب حد سے زیادہ بڑھ گئے تو بہ درجہ مجبوری کرشن جی مہاراج کو
میدان میں آکر ارجن کو اکسانا پڑا اور تعلیم جنگ دینی پڑی اور اسی کا
نتیجہ "مہابھارت" تھا۔ بھگوان رام چندر جی کو جبراً راون پر حملہ کرنا
پڑا۔ گورو گوبند سنگھ صاحب کو طوعاً و کرہاً مذہبی بانا چھوڑ کر جنگ جو
بننا پڑا۔ عرب میں قریش، یہود اور دیگر قبائل نے محمد صاحب پر، ان کے
خاندان پر اور ان کے پیروکاروں پر جو جو ظلم ڈھائے انھیں سن کر
ایک منصف مزاج اہل دل کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔ آپ نے ظلم سہتے
سہتے بھی آخر وقت تک مخالفوں کیلئے خدا سے نیک ہدایت
کی ہی دعا مانگی۔ آپ کو شہر سے نکال دیا گیا۔ آپ پر پتھر برسائے

گئے۔ راہ میں کانٹے بچھا دئے گئے۔ گندگی پھینکی گئی۔ گالیاں دی گئیں تھوکا گیا۔ ایک بار سجدہ کی حالت میں دشمنوں نے اونٹ کی اوجھڑی کندھوں پر ڈال دی کہ وہ بار گراں سے اُٹھ نہ سکے اور خبر ملنے پر حضرت فاطمہؓ نے اُنھیں آ کر اُٹھایا۔

ایک دن دورانِ نماز میں کسی شریر نے چادر سے گلا گھونٹنا شروع کر دیا کہ حضرت ابو بکرؓ آ گئے۔ اُس نے پھر اُنھیں اتنا مارا کہ لہو لہان کر دیا۔

خاندان کا تین سال تک بائیکاٹ رہا۔ کوئی خدا ترس رحم کرتا تو کھانا بہم پہونچا دیتا ورنہ فاقہ پر فاقہ ہوتا تھا مگر آپ نے کبھی زبان سے اُف تک نہ کی۔

آپ کی دخترؓ رقیہ اور داماد حضرت عثمان غنیؓ پر سردارانِ قبایل نے بے انتہا ظلم کئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی طرف جانا پڑا اور وہاں سے بھی انھیں پکڑ کر بلانے کی سعی بلیغ کی گئی۔

طایف میں وعظ کے وقت غنڈے گارا اور پتھر پھینکتے تھے ایک روز آپ سخت زخم کھا کر بیہوش ہو گئے مگر ظالموں نے پانی تک نہ دیا وہاں سے رخصت ہوتے وقت کچھ فرمایا تو صرف یہ کہ بد دعا کرنی مناسب نہیں شاید کبھی ایمان لے آئیں۔

اہلِ مکہ نے ہجرت کے بعد بھی مدینہ پر حملہ کیا اور بدبختوں نے آپ

کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب کی کمر میں ایسا تیر مارا کہ اسقاطِ حمل ہو گیا اور وہ اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکیں۔

یہود نے لوگوں کو اس قدر بھڑکایا کہ سردارِ مدینہ عبداللہ ابن ابی خزرجی تادمِ مرگ آپ کا دشمن ہی بنا رہا اور آخر وقت تک راہ راست پر نہ آیا۔

شدِ وصال۔ رنجشِ دلدار ہو گئی
اتنا بڑھا غبار کہ دیوار ہو گئی

قریش نے مدینہ میں بھی آپ کو اور دیگر مہاجرین کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ادھر یہود نے لبلی گھولنہ بن کر گوناگوں ظلم و ستم کئے یعنی بظاہر میل رکھا اور درپردہ قریش و دیگر قبائل کو مدد دیتے اور اکساتے رہے۔ کون سا بندۂ خدا ہے جو اس حالت، اس کیفیت اور اس ظلم و ستم میں بھی یہ کہے کہ محمد صاحب نے بزورِ شمشیر اسلام پھیلایا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ مخالفوں نے انھیں ہر طرح دق اور پریشان کیا مسلمانوں کو کہیں رہنا بھی مشکل کر دیا اور جب برسوں کے بعد پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو مجبوراً بہ حکمِ خدا آپ نے یہ اجازت دی کہ ظلم کا بدلہ لیا جائے تاکہ مفلوک الحال بے وطن مسلمانوں کو کچھ تو بے فکری اور امن نصیب ہو ایسے معترضین ذرا انصاف کی نگاہ اور دور اندیشی کے جذبہ سے

حالات کا مطالعہ کریں تو یقیناً ایسی غلط فہمیاں نہ ہونے پائیں۔ انتہائی ظلم و ستم نے ہی رحیم و کریم خدا کو قرآن میں جبّار و قہار بنا دیا۔

مجھے تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ دعوئے رسالت کے بدلوں اور برسوں بعد جنگ کی اجازت دی گئی اور غالباً پہلا حکم جہاد سورۂ حج میں ہے۔ جہاد کے معنی "حملہ خود بہ خود" بلا سبب AGGRESSIVE لڑائی) کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ حفاظت (DEFENCE) کے ہیں۔ محمد صاحب اور اُن کے خاص خاص اصحاب کرام اور نیک آل اولاد کے زمانے میں کبھی کسی نے خود تلوار نہیں اٹھائی البتہ ظالموں کے ظلم و ستم کا بدلہ ضرور لیا گیا۔

بعد ازاں بھی اورنگ زیب یا علاؤ الدین خلجی وغیرہ کسی بادشاہ نے تلوار سے کام لیا اور غیر مذہب والوں پر حملے کئے تو آن کی ذمہ داری اسلام یا بانیٔ اسلام پر ہرگز نہیں آسکتی۔ یہ لڑائیاں مذہب اور اسلام کیلئے کبھی نہیں کی گئیں بلکہ سیاسی پہلو سے ہوس ملک گیری اور دولت و بدبہ حاصل کرنے یا عیاشی کے لئے ہوئی تھیں۔ جس کا ثبوت خود اُن کے سوانح حیات سے صاف آشکارا ہو جاتا ہے۔ اورنگ زیب نے سلطنت کے لئے اپنے حقیقی باپ کو قید کر دیا اور اپنے حقیقی بھائیوں کو مروا ڈالا۔ پھر ہندوؤں پر اگر

ظلم ڈھایا تو تعجب کا کیا مقام ہے۔ بلکہ تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ
اُس نے بیجاپور وغیرہ کی اسلامی سلطنتوں پر بھی بار بار حملے کئے
کیا یہ سب کچھ اسلام کی ترقی کیلئے تھا؟ اسی طرح علاؤالدین
خلجی نے بادشاہت کے لئے اگر چچا کو مار دیا تو اس کا چتوڑ یا دیوگڑھ
کا ظلم کیا حیثیت رکھتا ہے۔ صاحبان! ان شخصی ناشائستہ حرکات
سے اسلام یا پیغمبر اسلام کے احترام میں حرف نہیں آسکتا۔

محمد صاحب نے غیر مسلموں سے ہمیشہ عزت و شرافت کا برتاؤ
کیا اور لاکھوں پیروکار اور اہل دول ذی حشم ہو جانے کے بعد
اُن سے اتحاد قایم کرنے کے لئے نہایت آسان شرائط و
اصول پر عمل درآمد رکھا۔

ظالم مخالفوں نے صرف اظہار رسالت اور حیات رسول کے
وقت ہی میں یہ ظلم نہیں کئے بلکہ پس مرگ آن کی اولاد پر بھی گن
گن کر ظلم توڑے گئے۔ ممکن نہیں کہ کوئی دردمند دل ایسا ہو جو
امام حسین کی بے بسی اور یزید پلید کی ستم گری کے مفصل حالات
سن کر دو آنسو نہ بہا دے۔ دنیا کی تاریخ ایسا دردناک واقعہ بھی
عدیم المثال گذرا ہے۔ بلاشبہ دوسرے مذاہب کے بانیان پر بھی
خوب ظلم ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح پھانسی پر لٹکائے گئے۔ گورو گوبند سنگھ

حالت خواب میں مجروح کر دئے گئے اور اُن کے معصوم بچے دیوار
میں زندہ چنوا دئے گئے۔ ایسے اور بھی بہت سے حادثات ہر
ملک و گروہ کی تواریخ میں موجود ہیں تاہم ہر معاملہ اپنی نوعیت
میں بالکل یکساں ملے گا۔ کہ ایک مذہب کے لیڈر پر دوسرے
مذہب والے مخالفوں نے ظلم کئے مگر اس کے برخلاف یہاں
رسول اللہ کی اولاد پر خود اُسی کے پیروکاروں اور اُسی کے نام
لیواؤں نے ستم ڈھائے۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔

ظالموں نے معصوم ہستیوں کو پیاسا مارا اور دریا کے کنارے مستورات
کی بے حرمتی کی۔ اور جی کھول کر!!! اور کیوں؟ صرف اس لئے کہ
اُن کا خاندانی حق اُن سے چھین لیا جائے۔ غضب ہے غضب۔

اس گنہ پہ مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

بقول شخصے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

کیا ایسی حالت میں بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ انتقام لینے کیلئے تلوار
نہ اٹھائی جائے۔ میرا خیال ہے کہ تیس ۳۰ سال کے بعد اگر یزید اور شمر
سے عوض لیا گیا تو مسلمانوں نے بے جا نہیں کیا بلکہ دراصل دیر کی۔

بے شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ معافی اور رحم کا درجہ انتقام سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ظالموں کے ظلم کی نوعیت پر بھی ذرا دھیان رکھنا چاہیے۔ کرشن جی مہاراج نے کنس کو اور رام چندر جی مہاراج نے راون کو اور حضرت موسیٰ نے فرعون کو کیوں مارا تھا۔

علاوہ بریں یہ بدلہ عام مسلمانوں اور چند خاص بہادروں نے لیا تھا جو رسول اور رسول کی مقبول اولاد کی صحبتوں سے محروم ہو چکے تھے اور اس وقت انھیں صبر و قناعت کا سبق سکھانے والی کوئی با اثر و مستند ہستی پردۂ دنیا پر باقی نہ رہی تھی ورنہ یہ سچ ہے کہ ع

درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست

میں خاندانِ رسول کی مظلومیت کا بے انتہا قائل و معترف ہوں اور تسلیم کرتا ہوں کہ اگر حضراتِ شیعہ آج تک اس حادثہ جاں گداز پر ماتم و اشک ریزی کو اپنا فرضِ اولیں سمجھتے ہیں تو بے جا نہیں ؎

عجب کیا ہے اگر اخگر گرے اب میری آنکھوں سے
کہ روتا ہے دلِ پُرسوز آتش بار پہلو میں

رسول اللہ کا کرم ملاحظہ فرمائیے کہ تیرہ سال کامل ہر طرح ظلم و ستم سہنے کے بعد بھی داخلہ مکہ معظمہ کے موقعہ پر ظالم قریشوں کو بالکل معاف و آزاد کر دیا اور باوجودیکہ اس وقت طاقت و اثر میں وہ

کم نہ تھے۔ کوئی بدلہ نہ لیا اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ سب بعد میں آہستہ آہستہ مسلمان ہو گئے اور آج کوئی قریشی ایسا نہیں جو اسلام پر فخر و ناز نہ کرتا ہو۔ یہ انقلاب تلوار و تفنگ کا نہیں بلکہ رحم دلی۔ انصاف و مروت کا نتیجہ تھا۔

رحم و مروّت

ایک مرتبہ جنگ میں جب مسلمان ایک شخص ابوالبختری کو مارنے کے لئے آگے بڑھے تو پیغمبر نے کہا کہ اس نے مجھ پر احسان کیا تھا اس لئے اسے جان سے نہ مارا جائے حالانکہ خود اسی ظالم نے پیغمبر صاحب کو کئی بار اور مسلمانوں کو رات دن سخت اذیتیں پہونچائی تھیں۔ احسانمندی کا اس سے بڑھ کر نمونہ مشکل سے کہیں ملے گا۔ اسیرانِ بدر میں ایک شخص سُہیل بن عمرو نہایت فصیح البیان تھا اور عام مجمعوں میں آنحضرت کے خلاف جوشیلی تقریریں کر کے نفرت و حقارت کا بیج بویا کرتا تھا اتفاق سے وہ گرفتار کر لیا گیا تو حضرت عمر نے تجویز پیش کی کہ اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیئے جائیں کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر میں اس کا کوئی عضو بگاڑوں گا تو گو نبی ہوں مگر خدا اس کی

جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑے گا۔ یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ وہ صاحب مقتدرت و رسولِ خدا ہونے کے باوجود بھی خدا سے کس قدر ڈرتے تھے وائے بر حال ما کہ ہماری کوئی حقیقت نہیں اور پھر بھی شب و روز گناہوں میں پھنسے رہتے ہیں اور بے فکر رہتے ہیں۔

حضرت مصعب ابنِ عمیر پیغمبر صاحب کے ہمشکل تھے۔ چنانچہ دھوکہ میں دشمنوں نے شہید کر دیا۔ ادھر کسی شقی نے خود پیغمبر صاحب کے منہ پر ایسا پتھر کھینچ مارا۔ جس سے دانت شکست ہو گئے۔ اس ناشائستہ حرکت و ظلم کے باوجود بھی آپ نے دعا مانگی کہ یا خدا اُن لوگوں کو بخش دے کہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ آپ کے چہرہ سے خون بہ رہا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے پانی سے زخم دھویا مگر خون بند نہ ہوا۔ آخر حضرت فاطمہ نے چٹائی جلا کر زخم کو بھرا۔ شاید اُس وقت ایپٹی کیٹرا ابھی دستیاب نہ ہوا۔

اعدا کا دستِ تظلم

ایک حبشی نے حضرت حمزہ کا جگر نکال کر ہندہ زوجہ ابوسفیان کے روبرو پیش کیا۔ جس نے جذبۂ انتقام میں دانتوں سے چبانا شروع کر دیا۔ ایسی

ہندہ نے شہیدوں کے اعضاء کا ہار بنا کر گلے میں پہنا اور گو بعد میں مع شوہر مسلمان بھی ہو گئی مگر اسی بدقسمت عورت کے پوتے یزید نے اولادِ رسول کے سر کو طشت و نیزہ پر رکھ کر بے حرمت کیا اور معزز خاندان کی معصوم مستورات کی بے عزتی کی۔ اس سے زیادہ شقاوت و سنگ دلی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بدوؤں اور دیگر مخالف قبائل نے مسلمانوں پر مدینہ میں بھی حملے کئے دھوکے دئے اور لوٹ مار کی۔

سکنہ ہجری میں چند قبیلوں کے سفیر آئے اور اسلام قبول کرنے کے لئے کئی تعلیم دینے والے صحابیوں کو ہمراہ لیا۔ جب عسفان و مکہ کے وسط میں پہونچے تو سب کو عالمِ غفلت میں قتل کر دیا دو آدمی کسی طرح بچ گئے۔ جو پکڑ کر مکہ میں فروخت کر دئے گئے۔ اسی طرح ایک اور موقعہ پر دعوتِ اسلام کے حیلہ سے ستر صحابی نجد کی طرف لے جا کر قتل کر دئے گئے۔

نبوت کے تیرھویں سال چند قبائل کے سرداروں نے آنحضرت کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی اور دشمنوں کے مقابلہ میں حمایت کا وعدہ کیا چنانچہ آپ نے تبلیغ کے لئے وہاں جانا قبول فرمایا مگر قریش یہود اور دیگر جنگ جو قبائل عرب نے امن و چین سے نہ بیٹھنے دیا اور تبلیغ کے بجائے برابر لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ الغرض یہی مجبوریاں

اور مُصیبتیں تھیں کہ وہ نبی کے بجائے حاکم اور مُبلّغ کے بجائے جنگی بن گئے
ورنہ اُن کا تو عام کھُلا ہوا قول یہ تھا کہ خدا نے جھگڑے کو منع کیا ہے۔
جو لوگ تم سے دین پر نہیں لڑے اور نہ تم کو تمھارے گھروں سے نکالا
اُن سے بھلائی سے پیش آؤ۔ انصاف کرنے والوں کو خدا پسند کرتا ہے

جس وقت آپ کے چچا حضرت عباس نے اپنی سالی میمونہ بنت
الحارث کے ساتھ آپ کا عقد کرا دیا اُس وقت آپ نے قریشیوں سے کہلایا
کہ آؤ سب دعوتِ ولیمہ میں شریک ہو لیکن اُنھوں نے صاف انکار کر دیا۔

ایک بار بہت سے صحابی ہمراہ لے کر آپ مکہ تشریف لے گئے۔ قریش
شکست کھا چکے تھے مگر اب بھی اُنھیں صبر نہ ہوا اور آپ کی صُلح کل پالیسی
کے باوجود تشریف آوری کا یہ شاندار نظارہ نہ دیکھ سکے۔ حتیٰ کہ آمد
کے وقت شہر خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے۔

شُرجیل بن عمرو فرماں رواے غسّان اور والی پایہ تخت بصرہ نے
آپ کے قاصد کو [illegible] قتل کر دیا حالانکہ ایلچی را چہ زوال کے مصداق
قاصد کو کسی قوم اور کسی مُلک میں کبھی نقصان نہیں پہنچایا جاتا۔ اس
واقعہ پر بدلہ لینے کے لئے چند صحابیوں نے اپنی فوج بنا کر اُس پر حملہ کیا۔
رُومی حکّام نے بھی حسد سے ایک بے قصور نو مسلم کو قتل کر ڈالا۔
اور بد قسمتی سے وفاتِ رسالت کے بعد خود مسلمانوں میں بھی باہم امارت

و خلافت کیلئے تنازعہ شروع ہوگیا۔ حضرت علی نے غالباً اسی تفرقہ کے خوف سے خلفائے ثلاثہ کی مخالفت نہیں کی اور خاموش رہے۔ باوجودیکہ مسلمان اور مخالف دونوں اُن کے طرف دار تھے۔ ابوسفیان نے کئی بار مدد دینے کا وعدہ کیا کہ وہ دعوائے خلافت کریں مگر اُس شیر دل نے صُلح کُل پالیسی پر سب کچھ قربان کر دیا۔

ایک بار دشمنوں نے رسول اللہ کے قتل کی بڑے زور شور سے تیاریاں کیں اور حضرت ابوبکر کے صلاح ومشورہ سے آں حضرت ایک غار میں تین دن تک پوشیدہ رہے اور حضرت علی کو اپنے پلنگ پر چادر اُڑھا کر لٹا دیا جو گرفتار کر لئے گئے۔ حضرت علی سے فرمایا کہ تم سے تعرّض نہ ہوگا اور دیکھو چند لوگوں کی امانتیں ہیں وہ بہ احتیاط مالکان کو حوالہ کرکے تم بھی مدینہ چلے آنا۔ یہ ایمانداری اور امانت داری کا نمونہ تھا کہ جان بچا کر جاتے وقت بھی امانتوں کا خیال رکھا۔ ایمانداری کی ایک مثال خاندانِ رسول کی بھی سننے کے قابل ہے۔ آں حضرت کی منکوحہ حضرت صفیہ نے سنہ ۵۰ ہجری میں بروقتِ انتقال اپنے ترکہ میں سے تہائی (⅓) حصہ اپنے بھائی کے نام وصیت کیا جو مسلمان نہ تھا بلکہ یہودی تھا۔ یہ امیر معاویہ کا زمانہ تھا۔ چند مسلمانوں نے چاہا کہ یہودی کو کچھ نہ ملے۔ حضرت عائشہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو

اور فوراً وصیت پوری کرو۔ چنانچہ پھٹکار کر اپنے سامنے تعمیل کرادی۔
آں حضرت نے مسجد نبوی کو خود اپنے ہاتھوں سے اینٹ گارا لا کر بنایا
اس میں محراب نہ تھی اور منبر تھا محض سادہ۔ کچی عمارت تھی اور چھت بھی
کھجور کی چھال سے پاٹی گئی تھی۔

انصاف و پابندیٔ عہد اور تعلقاتِ نکاح

"مالِ غنیمت" صرف جنگ و فتح کی حالت میں دشمنوں کے بھاگنے کے
بعد مانا جاتا تھا۔ یہودی بنی نضیر نے بغیر جنگ کئے محض مرعوب ہو کر مدینہ
چھوڑا اس لئے آں کی آراضی و اسباب وغیرہ کو بطور مالِ غنیمت مسلمانوں
میں تقسیم نہیں کیا اور انصار کو بلا کر آپ نے مہاجرین کی غربت و ناداری
کا تذکرہ کر کے کہا کہ اپنا مال اسباب اٹھا لے جاؤ البتہ آراضی میں
محنت کرنے کیلئے مسلمانوں کو اجازت دے دو کہ وہ دست و بازو
سے محنت کر کے حق و حلال کی کمائی کھائیں۔ ظن غالب ہے کہ آمدنی
کا حصہ بھی ضرور اُن لوگوں کو دیا ہو گا۔

سُنا ہے کہ قرآن میں عہد کی پابندی پر بے حد زور دیا گیا ہے
اور اُسے ایمان کی دلیل بتایا ہے۔ چنانچہ اپنے عہد نامہ کے مطابق

آپ نے سُہیل بن عمرو کو باوجودیکہ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ دشمنوں کے قبضہ میں دے دیا۔ جہاں اُسے بہت کچھ پریشانی و دقتیں نصیب ہوئیں یہود نے چھ سال تک لگاتار فتنہ انگیزی و مخالفت کی آگ روشن رکھی۔ بعد صلح یہود نے ایک دن آپ کی دعوت کی جو فوراً صفائی دل سے بمصداق۔ "ردِ دعوت خلافِ سنت" قبول کر لی گئی مگر ظالموں نے کھانے میں زہر ملا دیا۔ ایک لقمہ کھاتے ہی ذائقہ معلوم ہونے پر آنحضرت نے اُگل دیا اور میزبانوں سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی مرحب کی بھاوج زینب نے کہا کہ میں نے خود یہ کارروائی اس لئے کی تھی کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو خود ہی واقف ہو جائیں گے۔ ورنہ آپ کے وجود سے ہمیں فراغت مل جائے گی۔ وہ انتہائی مجرمہ تھی مگر رحم دل و مہربان طبع حضرت محمد صاحب نے اپنی ذات کے لئے کوئی بدلہ لینا گوارا نہ کیا اور اتنی شقی و سنگدل بدبخت مجرمہ کو بھی بخش دیا۔

دعویٰ رسالت کی ابتدا میں عوام کہا کرتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا ہے پیتا ہے۔ بازاروں میں پھرتا ہے۔ تلاشِ معاش میں سرگرداں ہے۔ نہ کوئی فرشتہ ہمراہ ہے۔ نہ سونے جواہرات کا محل رکھتا ہے۔ یہ آسمان پر چڑھ کر کتاب کیوں نہیں لے آتا تاکہ ہم پڑھیں

اور یہاں جب ہم منکر ہیں تو خدا اور فرشتوں کو ہمارے مقابلے میں کیوں نہیں لا کر کھڑا کر دیتا اور آسمان ہم پر کیوں نہیں گر پڑتا۔ سرداران طائف نے بھی نہایت حقارت کے ساتھ آپ کے خیالات و گفتگو کو سنا جس پر انھوں نے خود صحابہ سے اکثر فرمایا کہ قریش کے مقابلے میں سرداران طائف کی حرکات نے زیادہ چوٹ پہونچائی سچ ہے تلوار کے زخم سے زبان کا زخم زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ سرداران طائف کہتے تھے کہ اگر خدا کو رسول بھیجنا تھا تو مکہ اور طائف کے کسی رئیس و امیر بزرگ کو ہم سرداروں کے پاس بھیجتا نہ یہ کہ ایک غریب و یتیم شخص ہماری ہدایت کو آئے۔

درحقیقت اُن کی یہ تمام باتیں اور حرکات محض کم عقلی اور حسد پر مبنی تھیں۔ یہودی یہ بھی طعنہ دیا کرتے تھے کہ یہ رسول نہیں ہے۔ بلکہ (نعوذ باللہ من ذالک) مدعی ہے خود غرض ہے اور حسین عورتوں کا شائق ہے۔ آپ کی کئی شادیاں ہونے پر اکثر معترض ہوتے تھے اور آج بھی بعض لوگ اس موضوع پر چہ میگوئیاں کیا کرتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس معاملہ میں بھی اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھ کر کوئی عیب نہیں دکھائی دیتا۔ جہاں نسا کی قید تھی نہ نسلوں کی وہاں اولاد نرینہ کے لئے معدودے چند شادیاں کر لینا یقیناً رفارم اور

اصلاح میں شامل ہے۔ اس قسم کی باتیں اکثر "وقت" اور "ضرورت" پر بھی دار و مدار رکھتی ہیں اور ہمیں ہندوؤں میں بھی ایسی مثالیں بہت ملتی ہیں چنانچہ شری رام چندر جی کے والد بزرگوار راجہ دسرتھ جی کے تین رانیاں تھیں اور اسی کثرت کا نتیجہ تھا کہ رام چندر جی کو بن باس کے بہانہ وطن سے بے وطن ہونا پڑا۔

خود کرشن جی مہاراج کے کئی بیویاں موجود تھیں۔ دھرم راج چتر گپت جی مہاراج کے بھی دو بیویاں تھیں جن کی اولاد میں کائستھوں کے بارہ فرقے آج بھی موجود ہیں وہو ہذا۔

حضرت محمد صاحب نے حضرت خدیجہ کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی۔ صفیہ یہودن تھیں اور ماریہ عیسائی۔ یہ دونوں بڑے خاندانوں کی لڑکیاں تھیں اور چند دیگر بیویاں بھی اکثر سرداران قبیلہ کی دختران تھیں۔ غالباً باہمی اتفاق و اتحاد کے لئے رضامندی طرفین سے یہ شادیاں کی گئی تھیں۔ ایک حد تک ان شادیوں کے نتائج بھی اچھے نکلے۔ گویا نفس پرستی کے لئے نہیں بلکہ سیاسی پہلو کو مدِ نظر رکھ یہ تعلقات قائم کئے گئے تھے۔

آپ نے تمام بیویوں کو سادگی اور فقر و فاقہ سے زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی اور ان سب نے اسی قدر ایثار دکھایا کہ ہر لحاظ سے قابل تعریف تھا

ابتدائی تبلیغ

میرا خیال ہے کہ میں نے بہ خوبی ثابت کر دیا ہے کہ ابتدا میں اسلام کی تبلیغ رسول کی طرف سے بہ ذریعہ شمشیر نہیں ہوئی بلکہ تعلیمی پروپیگنڈا سے آغاز ہوا۔ سب سے پیشتر حضرت علی اور حضرت ابوبکر نے اسلام قبول کیا اور عورتوں میں حضرت خدیجہ سب سے پہلے مسلمان ہوئیں۔

سُودخواری

سوسائٹی کے مُفلس اور درماندہ طبقہ کے لئے سُود خواری ایک ناقابلِ برداشت مصیبت بلکہ لعنت ہے۔ اُس زمانے میں سُود در سُود کے ہاتھوں غریب پبلک بہت نالاں وگریاں تھی اور یہودیوں کے دامِ قرض میں پھنس کر تمام عمر کسی کا نکلنا محال ہو جاتا تھا۔ آج روس اور دیگر ممالک میں غربا کی نام نہاد بہبودی کا رونا رویا جا رہا ہے مگر محمد صاحب کی ذات والاصفات نے صدیوں پیشتر اس کا بہترین انتظام فرما دیا اور سُود خواری کو قطعی حرام قرار دے کر قرضِ حسنہ کا رواج ڈالا۔ جس سے مفلوک الحال ادنیٰ طبقہ اور محتاج شرفا کو سر اونچا اُٹھانے کا موقعہ ملا۔

عرب۔ عجم۔ فارس۔ ایران۔ اسپین وغیرہ ممالک کے مسلمان آج تک اسی حکم پہ عامل ہیں۔ اجمیر کے خاں صاحب منشی وزیر بخش مرحوم پریسیڈنٹ درگاہ خواجہ صاحب (اسسٹنٹ آڈیٹر بی۔ بی اینڈ سی۔ آئی ریلوے) نے تو یہاں تک اصول کی پابندی کی کہ ریلوے کمپنی کو لکھ دیا کہ اُن کے پراویڈنٹ فنڈ اور بونس میں سُود نہ لگایا جائے۔

افسوس ہے کہ یہودیوں اور مہاجنوں سے ہزارہا درجہ بڑھ کر کابل و سرحد کے پٹھان آج بھی سُود خواری کے ذریعہ ملک کو غارت تباہی میں ڈال رہے ہیں۔ لاتعداد آدمی اُن کے چنگل میں پھنسے ہوئے انھیں ملک الموت سمجھ کر وعدہ ادائیگی کے وقت منہ چھپاتے پھرتے ہیں وہ چار چار آنے فی روپیہ تک سُود کھاتے۔ ڈنڈے کے زور سے بے رحمی کے ساتھ مار مار کر رقم وصول کرتے ہیں اور پھر بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ اُن کے شکار کون بنتے ہیں۔ یہ کہنا فضول ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ سو قرضداروں میں دس ہندو۔ بیس عیسائی اور ستر مسلمان ہوتے ہیں۔

بُت پرستی

کسی مذہب کے مقتدا۔ رہنما اور آچاریہ جب دُنیائے دوں کو چھوڑ کر

اپنے مقام دارالبقا کی طرف تشریف لے جاتے ہیں تو پس ماندہ پیروکار اور ماننے والے غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر اکثر اصل اصول سے دور پڑ کر اور محض بالائی رسوم و فروعات میں بعض کر افراط تفریط میں گذر کرنے اور راہِ مستقیم سے بچھڑنے لگتے ہیں۔ غلط فہمیاں اور کج رویاں کسی خاص ملک۔ کسی خاص گروہ یا کسی خاص مذہب میں ہی نہیں ہیں بلکہ تمام مقامات میں اس کی مثالیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ جو ضعیف الاعتقادی اور ناواقفیت پر دلالت کرتی ہیں۔ ہندوستان میں مہابھارت کے بعد غیر ملکی بادشاہوں کے حملے اور لوٹ مار کے واقعات شروع ہو گئے۔ ادھر سچے پنڈت مہاتما رشی منی رفتہ رفتہ کم رہ گئے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کے باشندگان بدھ۔ جینی ویشنوی سب کے سب آہستہ آہستہ اپنے مذہب کے صحیح اصول سے کوسوں دور ہٹ گئے اور ہزار پندرہ سو سال گذشتہ میں روحانی کتب کے درست معنی و مطالب بتانے والے بھی نہ رہے تو من مانے معنی گھڑ لئے گئے۔ شاکت فرقہ پیدا ہوا جو گوشت کھانے لگا۔ شراب کی آڑ لے کر وام مارگیوں کا گروہ کھڑا ہو گیا۔ اور جب روحانی منازل کا راستہ بتانے اور سلجھانے والے نہ رہے تو باہر کی پوجا اور نمائش شروع ہو گئی۔

آچاریوں اور مہاتماؤں کے گپت (پوشیدہ) ہو جانے سے اُن کے
بجائے اُن کی تصاویر اور مُبت نگاہ کے روبرو رہنے لگے۔
اور رفتہ رفتہ وہی گوناگوں اصلی و خیالی تصاویر و مُبت "معبود" بن کر
بُت پرستی کا ذریعہ بن گئے۔ حضرت عیسیٰ سے چھ سو سال بعد دو چینی
سیاح فاہیان نامی اور وہان سانگ نامی (FAHIAN & VHAN SANG)
ہندوستان میں آئے تھے۔ جن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گیا،
متھرا اور بنارس کے سوا کہیں مندر ہی نہ تھے اور وہاں بھی صرف بدھ
مذہب کے تھے۔

جین اور بدھ مذہب نے ہندوستان میں بڑا زبردست ریفارم
کیا تھا اُس وقت یہاں بھی خدا کے نام پر عرب کی طرح انسانی قربانی
تک دی جانے لگی تھی۔ عرب میں انسانی و حیوانی قربانی کے علاوہ بُت
پرستی کا عالم یہ تھا کہ ہر قبیلہ اپنا جداگانہ بُت بطور معبود بنائے ہوئے
تھا۔ حضرت محمدؐ صاحب نے نہایت خوبی کے ساتھ بیت اللہ کو بتوں
سے صاف و پاک کیا اور عوام کو غلط راستہ سے ہٹا کر اصل خالق کی
طرف رجوع کیا مگر افسوس ہے کہ آج بھی ہر قوم و ہر فرقہ میں کسی نہ کسی
شکل میں بُت پرستی۔ کتاب پرستی اور مزار پرستی رائج ہے اور لوگ
اور خود مسلمان جا بہ جا قبروں پر بہشتیوں سے پانی چھڑکواتے منتیں

مانتے - چڑھاوا چڑھاتے اور برسی و نیاز کراتے ہیں۔ کہیں قبر پہ پھول
اور صندل چڑھائے جارہے ہیں تو کہیں کسی طاق میں چراغاں ہورہا
ہے۔ کاغذی اشکال تعزیہ کو خود بناتے ہیں اور ان پہ شربت چڑھاتے
نیز منتیں پوری کراتے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں زبان سے توحید کا غل
مچانا۔ دوسروں پر معترض ہونا اور عملاً خود شرک و بت پرستی میں غرق
رہنا مسلمانوں کے لئے قابل افسوس نہیں ہے۔

شراب خواری

شراب نوشی کے انسداد میں جو کام حضرت محمد صاحب نے کیا ہے وہ
دنیا میں بے نظیر ہے۔ شراب خوری کی بلا نے قوموں کو تباہ کر دیا۔ ملک
برباد ہو گئے۔ اس کی بدولت ہزاروں شرفا آج خانماں برباد ہیں اور
لاکھوں عالی خاندان مفلوک الحال اور بے نام و نشان ہو گئے۔ آج بھی لوگ
چاہتے ہیں کہ اس بلا سے کسی طرح خلاصی ہو۔ جنگ عظیم میں روس
نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح شراب بند ہو جائے۔ انگلینڈ
میں ٹمپرنس سوسائٹیاں قایم ہوئیں۔ جرمنی نے اپنی فوجوں کو اس
مصیبت سے بچانا چاہا۔ امریکہ میں ابھی پچھلے دنوں قانون بنایا گیا تھا

کہ شراب کی درآمد بالکل مسدود ہو جائے مگر کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ عرب میں اسلام کی بدولت حکم ممانعت پختہ طور پر کام کر گیا۔ عربوں کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی۔ ابتدائے اسلام میں شراب حرام نہ تھی بلکہ بہ تدریج اس کی ممانعت کی گئی۔ میں نے تحقیقات سے معلوم کیا ہے کہ قرآن میں اسکی ممانعت کیلئے تین جگہ تذکرہ آیا ہے۔ پہلے یہ حکم ہوا کہ شراب کے نشہ میں نماز نہ پڑھو۔ چونکہ نماز لازمی تھی اس لئے پانچ وقت کی تو شراب نوشی بند ہوگئی۔ اس کے بعد بتایا گیا کہ شراب پینے میں نقصان زیادہ ہے اور نفع کم۔ اس سے ذی عقل اور دور اندیش فوراً تائب ہوگئے اور عیب قریب قریب مفقود سا ہو گیا مگر پھر بھی تجارتی سلسلہ قایم رہا۔ تیسری بار صاف و صریح الفاظ میں فرمایا گیا کہ شراب خوری شیطانی فعل ہے اور یہ کہ شراب کا چھونا بھی حرام ہے۔ تیسرے حکم کے وقت حضرت محمدؐ صاحب مدینہ میں بہ ذات خاص تشریف فرما تھے۔ منادی نے مدینہ کی گلیوں میں اعلان عام کیا کہ شراب حرام کر دی گئی۔

چونکہ اس سے پہلے کوئی امتناعی حکم نہ تھا صرف اس کے عیوب و نقائص کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس لئے مدینہ کے ایک مسلمانی گھر میں بزم عیش آراستہ تھی اور حسب معمول بادہ گلگوں کا جام دور ہ

میں تھا۔ لوگ مے نوشی میں بے غل وغش مصروف ومشغول تھے۔
اتنے میں پینے والوں نے منادی کی آواز سُنی کوئی پی رہا تھا اور کوئی پلا رہا تھا مگر
جمے ہوئے تھے کہ سب بے حس وحرکت سناٹے میں آگئے۔ بس
خُم لنڈھا دئے گئے۔ ساغر توڑ دئے گئے۔ روایت ہے کہ اُس روز
اتنی شراب پھینکی گئی کہ گلیوں میں بہنے لگی۔ ممکن ہے کہ اس میں
بہت کچھ مُبالغہ ہو مگر اس میں شُبہ نہیں کہ آج ساڑھے تیرہ سو
برس ہوگئے اور مسلمانوں میں حکمِ ممانعت بہ دستور قایم ہے۔ اور
انشاءاللہ تا قیامت قایم رہے گا۔ سب قوموں سے کم شراب پینے
والے آج بھی مسلمان ہی ہیں۔ مثلاً صوبہ سرحد وغیرہ میں جہاں
مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ آب کاری کی آمدنی گورنمنٹ
کو کم ہوتی ہے۔ مجھے دلی صدمہ ہوتا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ کوئی
فردِ بشر بالخصوص کوئی مسلمان نشہ میں ہے۔ یا کلال خانہ میں اپنی
محنت کی کمائی کا پیسہ صرف کر رہا ہے ؎

اگر وصف ایک بھی اچھا شراب جام میں ہوتا
"شر" کا لفظ سب سے پہلے اس کے نام میں ہوتا

شراب کے بعد آجکل ایک اور کم بخت نشہ چائے کا شروع ہو گیا ہے
یہ بھی شراب کی چھوٹی بہن ہے۔ جو غریب ہندوستانیوں بالخصوص

مسلمانوں کے دل۔ دماغ اور جیب پر آہستہ آہستہ اثر کر رہی ہے۔ افسوس آج رسولِ دُنیا میں نہیں ورنہ ممکن تھا کہ اس نئی آفتِ ناگہانی کا بھی قلع قمع ہو جاتا۔

معجزات و کرامات

معجزات و کرامات کے متعلق بھی میرے اعتقادات خاص پہلو رکھتے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ جو خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ اُن میں ہر قسم کی طاقتیں ہیں اور وہ جو جی چاہے سو معمولی یا غیر معمولی۔ ممکن یا ناممکن کام کر سکتے ہیں مگر بالعموم وہ دنیوی معاملات میں رُوحانی قوت کا استعمال نہیں کرتے۔ اِلّا خاص موقعوں پر۔

شق القمر اور شبِ معراج کا معاملہ کوئی مانے یا نہ مانے مگر میں اسے بالکل قرینِ قیاس سمجھتا ہوں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میرے عقیدہ میں یہ بیرونی اور دنیوی واقعات نہیں ہیں بلکہ خالص رُوحانی منازل اور اندرونی مراحل سے متعلق ہیں یعنی وہ کسی جسمانی گھوڑے پر سوار ہو کر اور اپنے دنیوی جسم کو لے کر آسمان پر نہیں گئے تھے بلکہ اُن کی "روحِ معلیٰ" اندرونی "براقِ صوت" پر اُڑ گئی۔ اسی طرح

شق القمر کا معاملہ بھی اندرونی روحانی مانتا ہوں۔ تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت اس عظیم الشان جلسہ اور کثیر مجمع میں فضول اور تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ ایسے روحانی مسئلہ پر صرف عالم با عمل۔ شاغل اور مرشدِ کامل ہی کچھ فرما سکتے ہیں۔

میں نے دیال باغ آگرہ کے حضور صاحب جی مہاراج کی زبانِ مبارک سے اکثر روحانی مسایل پر مدلل و موثر تقاریر سنی ہیں۔ اور میرا یقین ہے کہ اس قسم کے سوالات کا اور اسلام کی صداقت پر وہی اچھی طرح جواب دے سکتے ہیں اس وقت تو میں اپنے ذاتی خیالات اور اپنی شخصی تحقیقات بیان کر رہا ہوں

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

قربانی اور گئوکشی

گئوکشی کے سوال پر ہندو مسلمانوں میں بدقسمتی سے بہت بدامنی و دل شکنی رہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بانی اسلام نے اس

موضوع پر نہایت معنی خیز اور مدبرانہ ہدایت نافذ فرمائی ہے۔ گائے
بے شک حلال ہے۔ حرام نہیں کی گئی لیکن اس میں شارع
اسلام کی دور اندیشی اور ذی فہمی کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر حرام
کر دی جاتی تو آج مسلمانوں کا تمام طبقہ گھی۔ دودھ جیسی نعمت
عظمیٰ سے بھی محروم ہو جاتا۔ سؤر (خنزیر) حرام مانا گیا ہے۔ تو
اس کا گوشت اور دودھ سب حرام ہے۔ حتیٰ کہ چھونا تک نجس العین
ہے۔ ایسی حالت میں گائے کا حلال جائز رکھنا بلاشبہ قطعی
درست۔ قرین قیاس اور عین عقل مندی ہے۔ مگر حدیث میں
صاف طور پر بیان کیا گیا ہے اور حکما و اطبا کا بھی یہی مصدقہ
و مسلّمہ ہے کہ لحم بقر امراض کا گھر اور شیر و روغن شفا ہے۔
جب صاف کہہ دیا گیا کہ گوشت مضر اور بیماری پیدا کرنے والا ہے
تو پھر قیمتی جانور کو ذبح کرنا عقل مندی نہیں۔ علاوہ بریں ہمسایوں
کے جذبات اور ہم وطنی کے خیالات کو ملحوظ خاطر رکھنا بھی مردمی
و انسانیت کا تقاضا ہے ؎

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

ایسی حالت میں قربانی کیلئے ایک چیز اگر چھوڑ بھی دی جائے

تو کیا مضائقہ ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

کیا قربانی کے متعلق صاف صاف یہ حکم نہیں ہے کہ
" نہ پہونچے گا اللہ کو اس کا گوشت اور خون مگر
پہونچے گا تمہارا تقویٰ"

خاتمۂ بیان

صاحبان! مجھے حضرت محمدؐ صاحب کی حیات پر بہت کچھ کہنا تھا مگر وقت زیادہ ہو جانے کے باعث اب مجبوراً خاموشی اختیار کرتا ہوں اگر ان خیالات میں کوئی غلطی ہو یا کہیں میرے طرز اظہار و طریق بیان سے کچھ اختلاف ہو تو میں بہ شرط علم و یقین تبدیلی کرنے کیلئے ہر وقت بصد مسرت تیار و آمادہ ہوں۔ میں نے اردو فارسی تو پڑھی ہے مگر افسوس ہے کہ عربی سے قطعی ناواقف ہوں اس لئے قرآن نہیں پڑھ سکتا اور نہیں جانتا کہ اس کوزہ میں کیا کیا دریائے بے پایاں بھرے پڑے ہیں۔ اِدھر اُدھر سے جو معلومات مجھے حاصل ہوئی ہے۔ بزرگوں کی صحبت میں جو سیکھا ہے۔ علماء فضلا کی زبان سے جو سُنا ہے

انگریزی - اردو - فارسی اور ہندی کتب کے مطالعہ سے جو پتہ چلا ہے اور فقیروں - درویشوں اور سنتوں کی گفتگو اور تحریروں سے جو معلوم ہوا ہے اُسی بنا پر یہ ظاہر کر دینا بے جا و بے معنی نہ ہوگا۔ کہ میں تمام بانیانِ و ہادیانِ مذاہب کی صدق دل سے توقیر و تعظیم کرتا ہوں مجھے اوائلِ عمری سے ایسی ہی تعلیم ملی ہے اور میرے عقیدے و تحقیقات کا نتیجہ یہی ہے کہ جملہ پیشوایان و معلمانِ روحانی اپنے اپنے درجہ کے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اور جو شخص صاف دلی اور سچائی کے ساتھ اُن کی خدمت میں آیا یا جس پر اُن کی عنایت مبذول ہوئی اور جس نے اُن کے احکام کی پابندی کی اُس کا بلاشبہ و شک بیڑا پار ہو گیا۔ ایسے خادم کو جنت کے سوا اور کہاں جگہ مل سکتی ہے۔

مردانِ خدا ، خدا نہ باشند
لیکن ز خدا ، جدا نہ باشند

خدا کرے ہندو مسلمان باہم مل جُل کر سچے برادرانہ اتحاد سے اپنی زندگی بسر کریں اور بانیانِ و سردارانِ مذاہب کی پاک و متبرک زندگیوں سے نیک سبق حاصل کریں۔ سچ ہے وہی آدمی خوش قسمت تھے اور ہیں جو ایسی برگزیدہ ہستی کے احکام و فرمان پر دست بستہ و بصد شوق و ذوق عمل کرتے اور تہ دل سے

خدمت بجالا کر اپنی ہستی کو کارآمد و بیش قیمت بناتے ہیں۔

حضرات! ہم گناہ گار ہیں۔ قدم قدم پر گناہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہماری نیت نیک۔ دل صاف۔ عمل درست اور طبیعت بے لاگ ہو تو یقین مانئے کہ ہمارا ایک روز بیڑا پار ہوگا۔ اور ضرور ہوگا جس نے لَا تَقنَطُو کا مژدہ روح پرور سنایا ہے وہ غریب پرور اور سب کو بہتر جاننے والا ہے۔ اس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے ؎

نہ دیکھ جرم مرا۔ اپنے تو کرم کو دیکھ
معاف کردے۔ بشر سے قصور ہوتا ہی

احقر العباد شاد
۱۶ جون ۱۹۳۵ء۔ یوم یکشنبہ